جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علما کا مجاہدانہ کردار

مؤلف
عطاء الرحمن نوری
M.A., B.Ed., MH-SET, Journalist
(مبلغ سنی دعوت اسلامی)

نام کتاب	:	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علما کا مجاہدانہ کردار
مؤلف	:	عطاء الرحمن نوری (مبلغ سنّی دعوت اسلامی)
کمپوزنگ	:	عطاء الرحمن نوری (مبلغ سنّی دعوت اسلامی)
ٹائٹل	:	عابد حسین عابد کمپیوٹر 8805576132
صفحات	:	٦۴
قیمت	:	
سن اشاعت	:	۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ ۱۵/ اگست ۲۰۱٦ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار (۱۰۰۰)
اشاعت نمبر	:	چار
بموقع	:	٦۹/ ویں یوم آزادی
ناشر	:	مکتبۂ طیبہ، مالیگاؤں

صفحہ نمبر

ـیم

ہِ الْکَرِیْمِ

اب

ں سے روشن ومنور کرنے والے

طالعہ پر سجانے والے

وں سے باخبر کرنے والے

نے والے

مات اُجاگر کرنے والے

اور رہبر ہیں

ل زینت ہیں

ور مایۂ ناز ادیب

صاحب کے نام

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم۔ امّا بعد!

کائنات میں حُسن وجمال،نشیب وفراز،سبزہ وزار،بہتے آبشار،گُلستاں کی بہار،دَست وکُہسار،بَل کھاتی ندیاں،سمندروں میں مدّوجزر کاخُمار،ستاروں کی انجمن، چاند کی چمک، سورج کی رَمَق،بجلی کی دَمَک،کلیوں کی مسکراہٹ،بھنوروں کے گُن گناہٹ، چڑیوں کی چہچہاہٹ،صبح کا سویرااوررات کا اندھیراوغیرہ کوحُسنِ اتفاق کا نام نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ اکثر ایسانہیں ہوتا کہ پانی زمین پر پھینکنے سے کسی ملک یا عمارت کا نقشہ بن جائے، جب تک اُس کے پیچھے کسی مُصوّر کی فن کاری کا ذوق کارفرما نہ ہو۔بلا تشبیہ کائنات کی رعنائیاں بھی مصوّرِ حقیقی کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہے۔جس کو جو ملا، جتنا ملااور جس قدر ملا،اُسی رب الارباب بادشاہِ حقیقی کے دَر سے ملا۔اس لیے ہم جب بھی اپنے ملک ہندوستان پر نظر ڈالتے ہیں توحب الوطنی کی چنگاری شعلۂ جوّال بنتی ہوئی نظر آتی ہے اور سینے میں اپنے وطن ہندوستان کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔خطۂ ہند پر اللہ پاک کی خصوصی نگاہِ کرم کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ پہلے نبی ، پہلا انسان، پہلی اذان، پہلی نماز، پہلی تسبیح، پہلی تکبیر، پہلی توبہ، پہلی دعا، پہلی ادا، پہلی صدا، پہلی ندااور پہلے آنسواللہ عزوجل کی محبت میں اسی زمین کا مقدر رہے ہیں۔اسی خطے کی طرف کعبۃ اللہ کا سب سے افضل ترین رکن ''رُکن اَسود'' ہے،سب سے بڑھ کر یہ کہ حبیب رب العلیٰ مالک کون ومکاں دانائے سُبل مولائے کُل ختم الرّسل خسروے خوباں سیاح لامکاں وجہ کُن فکاں مصطفیٰ کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرما کر کہ ''ہند سے عاشقوں کی خوشبو آتی ہے''،ارضِ ہند کوارضِ محبت کا تمغہ عطا کر کے روم وفارس اور دیگر ممالک

داغ جس پہ غازۂ رنگ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عرب کے بوریاں نشینوں کو قرآن سنا کر معرفت خداوندی عطا کر رہے تھے اُس وقت قرآن کی انقلاب آفرین صدائیں گجرات کے ساحلی علاقوں کو اپنے آغوشِ کرم کی طرف متوجہ کر چکی تھی۔ گویا کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں اسلام کا پیغام ہند پہنچ چکا تھا۔ محمد بن قاسم ثقفی، سلطان محمود غزنوی، سلطان شہاب الدین محمد غوری اور ان جیسے متعدد جیالے نوجوانوں کے علاوہ بہمنی سلطنت، قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی، برید شاہی، عماد شاہی، مغلیہ اور آصفیہ سلطنتوں کے بانیان، بادشاہوں اور حکمرانوں نے اس ملک کے نظام جہاں بانی میں انقلاب پیدا کیا۔ نیز بادشاہوں کے ساتھ صوفیائے کرام نے بھی اپنے اخلاق وکردار سے اہل ہند کے دل جیت لیے۔ یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ بادشاہ زمینوں کو فتح کر رہے تھے اور صوفیائے کرام دلوں کو۔ گویا خطۂ ہند کا نصیبہ عروج پر تھا، ایک طرف زمین کے فاتح اور دوسری طرف ضمیر کے۔ اُسی حسین دور کی رہین منت نے ملک ہندوستان کو سونے کی چڑیا بنا دیا کیوں کہ مسلم بادشاہوں نے یا صوفیائے کرام نے ہندوستان کو دیارِ غیر سمجھ کر لوٹ مار اور قتل وغارت گری کرنے کی بجائے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی زمین اور اپنا آبائی وطن سمجھ کر خوب سجایا اور سنوارا جس کی روشن دلیلیں تاج محل آگرہ، لال قلعہ دہلی اور آگرہ، جامع مسجد دہلی اور فتح پور سیکری، پنج محل فتح پور سیکری، قطب مینار دہلی، بلند دروازہ گجرات، شالیمار باغ کشمیر، ہمایوں کا مقبرہ دہلی، شیر شاہ سوری کا مقبرہ بہار، اعتمادالدولہ کا مقبرہ آگرہ، بی بی کا مقبرہ اورنگ آباد، گول گنبد بیجاپور، قابلی مسجد پانی پت، چار مینار حیدرآباد، تاج المسجد بھوپال، اشرفی محل مدھیہ پردیش، اوران جیسی بہت سی خوبصورت عمارتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ خطیب الہند علامہ عبیداللہ خان اعظمی صاحب نے اس کی منظرکشی یوں کی ؎

...صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الطاف وکرم کو نگاہ میں
...کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ ہمارے
...سری قوموں کے علاوہ اہل عرب کے
...رب اور اہل فارس کی شاعری میں
...ت کی نگاہ سے اور تعصب کی عینک
...'اسلام' ہے۔ کیوں کہ حضرت آدم
...کے پہلے انسان اور تمام انسانوں کے
...ب ''اسلام'' ہے۔ اسلام کا آغاز
...کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان
...خ۔ چنانچہ خاتم النبیین جانِ آدم فخرِ
...صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظامِ رحمت ہندوستان میں
...تے ہیں کہ جب حضرت بلال رضی اللہ
...وقت دیوانگانِ رسول گنگا جمنا کے
...سجدوں کے لیے بے قرار تھی۔

...یاد تجھ کو
...کارواں ہمارا
...کوئی سنا
...دامن ترا
...ندگی کا ماجرا

ثانی ہم ہیں
بانی ہم ہیں
نے صدیوں تک حکومت کیں، اسی
کالے انگریزوں نے تجارتی کمپنیوں
مرانوں میں نہ کوئی محمود غزنوی تھا اور
دھیرے دھیرے پورے ملک پر
یا تھا اس لیے فطرتاً جو درد اور کرب
ب کے بھی دشمن تھے اور جان کے
رائے انقلاب بلند کیا۔ اس ضمن میں
سے لکھنے کے قابل ہیں۔ مگر بڑے
س دور کا بھی واسطہ نہیں وہ آج چند
ہیں اور جن کی جائیدادیں ضبط کی
پھونک دی گئیں، جنھیں ملک
رفتار بنا دیا گیا، جنھیں جیل بھیجا گیا،
دیا گیا، جن کی آنکھوں کے سامنے
نے تن من دھن کی قربانیاں
کو اُلٹی چھری سے ذبح کیا جا رہا
سے جھوٹ، فریب اور مکر سے
یت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسا
حیرت سے تکتی ہوگی۔ مگر یاد رہے
ہے وہی پیکرانِ خلوص و وَفا بھی
فاش کرنے والے بھی۔ بھلا ہو اُن

علمائے کرام اور قلم کاروں کا جنھوں نے تاریخ پر ظلم کرنے والوں کا پنجہ مروڑنے کے لیے کمر کَس لی ہیں۔ اللہ انھیں سلامت رکھیں جو تاریخی سچائیوں کو نسلِ نو تک پہنچانے کے لیے اَنتھک کوششیں کر رہے ہیں۔ اُنہیں میں موجودہ دور میں سرِ فہرست ''اسلاف شناسی کی تحریک'' پیش کرنے والے عظیم مفکر، رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی جن کا کارنامہ لائق تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ علامہ یاسین اختر مصباحی کی کوششوں نے نوجوان قلم کاروں کو متاثر کیا اور اس سمت میں اہلسنّت کی طرف سے کام کا آغاز ہوا۔ نئی نسل جن بزرگوں کے نام تک نہیں جانتی تھی اب ان کے ناموں اور کارناموں کو پڑھ اور سُن کر اپنی معلومات میں اضافہ کر رہی ہے۔

اسی کی ایک کڑی میرے مخلص ساتھی تحقیقی ذہن رکھنے والے سند یافتہ صحافی جناب عطاء الرحمن نوری (مبلغ سنّی دعوت اسلامی، مالیگاؤں) نے علمائے اہلسنّت بالخصوص علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے ملک ہندوستان کی آزادی میں قربانی دینے والے اور تحریک آزادی کے اصل بانیین و قائدین کا تذکرہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ گذشتہ دو تین سالوں سے یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع پر ماہنامہ سنّی دعوت اسلامی ممبئی، ماہنامہ کنزالایمان دہلی، سالنامہ روشنی دہلی ممبئی کے اخبارات انقلاب، اردو ٹائمز، صحافت، ہندوستان اورنگ آباد، ماہانہ پیغام رضا اُجین، مالیگاؤں کے اخبارات شامنامہ، دیوان عام، ترجمان، نشاط نیوز، بہار سنّت، ڈسپلن اور ہماری ویب ڈاٹ کام پر عطاء الرحمن نوری کے آن لائن مضامین آرہے تھے۔ سال گذشتہ ''دیوان عام'' میں مسلسل گیارہ دنوں تک گیارہ قسطیں شائع ہوئیں۔ مذکورہ تمام مضامین کو فقیر قادری کی فرمائش پر برادر گرامی نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے جس میں انہوں نے تاریخی قرائن وحقائق کے ساتھ یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی آزادی علمائے اہلسنّت کے دم قدم سے متصور ہے اور ملک کی آزادی کے معاملے میں مسلمانوں کو بالخصوص علمائے اہلسنّت کو نظرانداز کرنا بہت بڑی زیادتی و ناانصافی ہے۔

ں کو دینا روایت ودرایت کے خلاف
ٹلا گھونٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ برادرِ گرامی
ان کی کوششوں کو شرف قبولیت
ں دیکھ سکا، البتہ کتاب اور اس کے
ں ہے اور عطاء الرحمن بھائی کا اصرار
فر کی مصروفیات کے سبب عجلت میں
ارک وتعالیٰ میرے ٹوٹے پھوٹے
ات بنائے اور اللہ ہم سب سے وہ
راضی ہوجائے۔ آمین بجاہ الحبیب

راضی کرے
وڑوں درود

الرضوی الرفاعی
یگاؤں)
اگست ۲۰۱۶ء

ہندوستان کی اصطلاح

لفظ ''ہند'' یا ''ہندوستان'' عرب کے لوگ فارس اور عرب کے مشرقی علاقے میں آباد قوموں کے لیے استعمال کیا کرتے تھے اور اسی سے ہندوستان کی اصطلاح برصغیر کے بیشتر علاقوں کے لیے استعمال ہونا شروع ہوگئی۔ مختلف سلطنتوں اور بادشاہتوں کے تحت بادشاہتِ ہند کی سرحدیں بدلتی رہیں۔ آخر برصغیر ہندوپاک کا سارا علاقہ برطانوی تسلط میں آ کر ''برطانوی انڈیا'' یا ''ہندوستان'' کہلانے لگا۔ یہ صورتِ حال ۱۹۴۷ء تک برقرار رہی۔ اس میں موجودہ بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان شامل تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہاں دو ملک بن گئے جنہیں بھارت اور پاکستان کہا گیا۔ بعد ازاں پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصے علیحدہ ہو گئے۔ مشرقی حصہ بنگلہ دیش کہلایا۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان سے واضح طور پر جغرافیائی خطہ ہندوستان ہی مراد لیا جاتا ہے۔

''ہند'' یا ''ھند'' کا لفظ پہلی صدی قبل مسیح میں استعمال ہوا۔ پہلی صدی عیسوی میں جب عرب ہندوستان تجارت کے لیے آئے تو انہوں نے دریائے سندھ سے مشرقی طرف تمام علاقہ جات کو ''ہند'' کہا پھر اس لفظ کا اصل استعمال فارسی زبان سے ہوا۔ فارسی میں یہ لفظ ''ہند'' سے ''ہندوستان'' میں تبدیل ہوگیا۔ یہ لفظ قدیم فارسی لفظ ''ہندوس'' سے لیا گیا جو خود سنسکرت کے لفظ ''سندوس'' سے نکلا ہے جس کا مطلب وہ علاقے جو دریائے سندھ کے پیچھے آتے ہوں۔ تاہم اس طرح یہ لفظ جدید فارسی میں ''ہندو'' اور اسکے ساتھ ''ستان'' (جگہ) کے مجموعے سے جنم پا گیا۔ پرانے زمانے میں چینی زبان میں ''ہنت-تو'' کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ کو بالکل سرکاری وجود مغل سلطنت کے دور میں ملا یعنی مغل شہنشاہوں نے اپنی سلطنت کو ہندوستان کا نام دیا۔ (وِکی پیڈیا)

پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لیے خوشبودار ہو گیا۔'' (تفسیر نعیمی، جلد ۱، ص ر ۲۸۴)

مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہے۔ جس میں مذکورہ نکتہ کی وضاحت ہوتی ہے ؎

قد اَوعَ الخلاق آدہ نورہ — متلالاً کالکوکب الوقاد
والہند مہبط جدقا و مقامہ — قول صحیح جیـد الاَسناد
فسواد اَرض الہند ضاء بدایۃ — من نور احمد خیرۃ الاَمجار

ترجمہ: بنانے والے نے آدم علیہ السلام کے اندر اپنا نور رکھ دیا، روشن ستارے کی طرح چمکتا ہوا۔ ہندوستان ہمارے جد امجد کی جائے نزول اور قیام گاہ ہے۔ یہ صحیح قول ہے اور اس کی سند مضبوط ہے تو ہندوستان کی سرزمین سب سے پہلے نورِ محمدی ﷺ سے ضیاء بار ہوئی، جو سب عظمت والوں سے بہتر ہیں''۔ (شمامۃ العنبر، مترجم: سید علیم اشرف جائسی، طبع جائس، ص ر ۸۹)

ڈاکٹر اقبال نے اسی نکتہ کی وضاحت کچھ اس طرح کی ؎

ہے اگر قومیت اسلام پابند قوم
ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام

معلوم ہوا کہ ہندوستان سے ہمارا رشتہ عہد صحابہ، مجاہد اسلام محمد بن قاسم اور مغلیہ حکومت سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمارے باپ کی سرزمین ہے۔ اسلام کی بنیاد اور اساس کا رشتہ ہندوستان کی سرزمین سے اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں اپنی حب الوطنی ثابت کرنے کے لیے شیو، وشنو، شنکر اور پاروَتی کو اسلامی پیغمبر کا درجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو ہندوستانی ثابت کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات و تاریخ کی دھجیاں اڑانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے ہم وطنوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ و رسول ﷺ کو ناراض کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ شنکر، شیو، وشنو، پاروَتی اور دوسرے ہندو دیوی و دیوتاؤں کو پیغمبر بنا کر، اپنے ماں باپ تسلیم کر کے، اپنے آپ کو ہندوستانی ثابت کر کے کیا فائدہ؟ ہمارے ہندوستانی ہونے کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہمارے جد امجد اور دنیا کے سب سے پہلے انسان اسی سرزمین پر جنت سے تشریف لائے۔ آیئے اسلامی تاریخ کی روشنی میں اسلام اور ہندوستان کا تعلق کس قدر مضبوط ہے جاننے کی کوشش کریں۔

آخری قسط میں مولانا محمد رفیق احمد
یوں رقمطراز ہیں:
لسلام سب سے پہلے اسی دھرتی پر
پ'' کے ''لوذ۔یا۔راہون'' پہاڑ پر

ں چوبیس ہزار انبیا و مرسلین یہیں ہند

ں ندامت بہائے، تین سو سال تک
طر سَر نہیں اٹھایا۔

ں آپ نے اسی دھرتی پر پیش کیا۔
لام پاک کا نعرہ وغلغلہ زمین پہ سب

لام کا مزار پاک بھی ہندوستان میں

ے گویا ہندوستان تمام مسلمانوں اور

ں بارگاہ میں سب سے پہلے سرزمین

☆ سب سے پہلے اذان ہندوستان میں ہوئی۔

☆ سب سے پہلی نماز بھی یہیں ہوئی، جو آپ نے قبول توبہ کے شکرانے میں ادا فرمائی۔

☆ آپ نے چالیس حج اور ایک ہزار عمرے بھی اسی سرزمین ہند سے مکہ شریف پیدل جا کر ادا فرمائے، کعبہ چوں کہ آپ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں کے ذریعے تعمیر ہو چکا تھا۔

☆ جنتی اوزار: سانڈسی، ایرن اور ہتھوڑا ہندوستان میں اُتارے گئے۔

☆ جنتی برگ وثمر اور خوشبوئیں یہیں اتاری گئیں۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ انجیر کے پتے، عجوہ کھجور، کیلا اور لیموں وغیرہ یہیں اُتارے گئے۔

☆ فصل، گل وشبنم، پیڑ پودے اور کھیتیاں سب سے پہلے اسی دھرتی پہ لہلہائیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو ہندوستانی جڑی بوٹی ''عود ہندی'' کے استعمال پر زور دیتے تھے کہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے۔

☆ آج بھی دواؤں میں استعمال ہونے والی بیشتر جڑی بوٹیاں اور خوشبوئیں ہندوستان میں پیدا ہوتی ہیں۔

فضائل ہند کی روایتیں مندرجہ ذیل کتب سے ماخوذ ہیں: بخاری شریف کتاب الطب ج ۲ ص/ ۸۴۹ تا ۸۵۱، سنن ابی داؤد، کتاب الطب ج ۲ ص/ ۵۴۱، تفسیر الدر المنثو رسورۂ بقرہ، ج ۱، ص/ ۱۱۰، ۱۱۵، تفسیر مدارک شریف ج ۳ ص/ ۶۸، تفسیر روح البیان ج ۱ ص/ ۲۳۷۔۴۹۸، تفسیر نعیمی ج ۱ ص/ ۲۹۰ تا ۲۹۱، تفسیر خازن وتفسیر جمل، حاشیۂ صاوی ج ۱ ص/ ۶۴، ۱۱۰، حاشیہ شیخ زادہ ج ۱، ص/ ۲۶۶، ۲۶۷، ۴۲۰، حاشیۂ جلالین ص/ ۱۳۱، حاشیہ نمبر ۲، مدارج النبوۃ ج ۱ ص/ ۵ (ماہنامہ کنز الایمان، مارچ ۲۰۱۰ء، از: محمد رفیق احمد مصباحی، ص ۳۵)

ہندوستان میں اسلام

ہندوستان کی سرزمین جہاں ان تمام تر فضائل ومناقب اور خصوصیات کی حامل ہے وہیں اس دھرتی کو خداوند قدوس نے صحابیت کے شرف سے بھی مشرف فرمایا۔ان فضائل کے علاوہ بھی ہند کی دھرتی متعدد فضائل کی حامل ہے۔تفصیل کے لیے کتب احادیث وتاریخ کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ یہاں مقصود آزادئ ہند کا مختصراً تذکرہ ہے اس لیے سرسری طور پر تاریخ ہند پیش کی جارہی ہے۔صوفیائے عظام،مشائخ کرام،دعاۃ،مبلغین اوراجلہ علمائے کرام کے دم قدم اور فیضان وبرکت سے ہر دور میں ہندوستان میں اسلام کی شمع روشن رہی اورایمان کی باد بہاری سے ہر خطہ لہلہاتا رہا۔عہد بہ عہد شمع اسلام کی لو اوراس کی روشنی تیز تر ہوتی گئی اور چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی (وصال صفر ۱۰۳۴ھ/ دسمبر ۱۶۲۴ء)،امام المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی (وصال ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ جون ۱۶۴۲ء)،امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ/ دسمبر ۱۷۶۲ء)،سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء)،بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی (وصال صفر ۱۲۲۵ھ/ دسمبر ۱۸۱۰ء)،شمس العارفین حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال صفر ۱۲۳۵ھ/ دسمبر ۱۸۲۰ء)،امام الحکمت والکلام علامہ فضل حق خیرآبادی (وصال صفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)،مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (وصال صفر ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء)اوردوسرے بہت سے جید وممتاز علمائے کرام نے اپنی مساعی جمیلہ سے کفر وارتداد کے اٹھنے والے ہر فتنے کا سر قلم کیااوراسلامی تعلیمات وقوانین کی محافظت کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۸۵۷ء کے سنگین ودردناک حالات میں علمائے اہلسنّت نے مسلمانان ہند کی جو فکری قیادت کی اس سے مؤرخین بخوبی واقف ہیں۔یہ ایک مسلم الثبوت اورناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی علمائے کرام ہی کے دم قدم سے متصور ہے۔آج ہم آزادی کی جس خوشگوار فضا میں زندگی کے لمحات بسر کررہے ہیں،یہ علمائے حق ہی کے سرفروشانہ جذبات

شیر میسور سلطان ٹیپو

۱۷۵۷ء میں رئیس بنگال نواب سراج الدولہ کی قیادت میں جنگ پلاسی، ۱۷۶۴ء میں جنگ بکسر، ۱۷۷۴ء میں جنگ روہیل کھنڈ اور اس کے بعد حیدر علی سے انگریزوں نے کئی جنگیں لڑیں اور اپنوں کی فریب کاری، مکاری، دغابازی اور عیاری کے سبب انگریز ہر محاذ پر کامیاب ہوئے۔ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کا انتقال ہوگیا اور ان کی قائم مقامی ان کے جاں باز بیٹے سلطان ٹیپو نے کی۔ سلطان ٹیپو محب اسلام اور محب وطن تھا۔ موت کی آخری ہچکی تک ٹیپو انگریزوں کے خلاف نبردآزمارہا۔ سلطان ٹیپو نے ملک کی حفاظت کی خاطر افغانستان، ایران اور خلافت عثمانیہ (ترکی حکومت) سے مغربی سامراج کے خلاف فوجی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۷۸۴ء میں سب سے پہلے عثمان علی خان کو اس مہم پر قسطنطنیہ روانہ کیا مگر افسوس یہ سفارت ناکام ثابت ہوئی۔ سلطان ٹیپو اپنی اس سفارتی ناکامی سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی دو دفعہ خلیفۂ روم کی خدمت میں اپنا سفارتی وفد روانہ کیا، آخری وفد ۱۷۹۷ء کو روانہ کیا گیا تھا مگر یہاں بھی مایوسی ہاتھ آئی۔ شیر دل حکمراں نے ایران کے حاکم کریم خان زند اور افغانستان کے حکمراں زمان شاہ درانی کے پاس بھی وفود روانہ کیے، دونوں مدد کے لیے تیار بھی ہوگئے بلکہ زمان شاہ بھی ٹیپو کی فوجی مدد کے لیے ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گیا تھا لیکن ایران کے افغانستان پر اچانک حملہ کی وجہ سے اس کو راستہ ہی سے واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد سلطان ٹیپو نے نظام حیدرآباد اور مرہٹوں سے بھی مفاہمت کی کوشش کی۔ سلطان نے بڑی حکومتوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خودمختار سلطنتوں یعنی کشمیر، جودھپور، جے پور اور نیپال وغیرہ کے ہندوراجاؤں کے پاس بھی سفیر دعوتِ اتحاد دے کر روانہ کیے اور انہیں انگریزوں کی چال اور ہندوستان کے سلسلے میں ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا۔ غرضیکہ ٹیپو نے ایک محب اسلام ہونے کے ناطے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ سے باز رکھنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی اور دوسری طرف بحیثیت ایک محب وطن مرہٹوں سے بھی مصلحت کی کوشش کی لیکن افسوس کہ انگریز اپنی عیاری

اور شرائط ملازمت کے مسودہ کی منظوری دی۔اس دستاویز کی پیشانی کی عبارت میں یہ تحریر بھی ہے۔''ہز لارڈ شپ (ویلزلی) کے حکم خاص سے اس (دستاویز) پر ۴؍مئی ۱۸۰۰ء کی تاریخ ڈالی گئی جو میسور کے دارالسلطنت سرنگاپٹنم میں برطانوی افواج کی شاندار اور فیصلہ کن فتح کی پہلی تاریخ تھی۔'' (گل کرسٹ اور اس کا عہد، از: محمد عتیق صدیقی، ص ۱۳۷)

یعنی کہ جنگ آزادی کے مجاہد اعظم حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمہ کی شہادت انگریزوں کے لیے بڑی خوشی کا دن تھا۔ بلکہ ایسی کامیابی کا دن تھا کہ انھیں یہ محسوس ہونے لگا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے اور وہ لوگ اپنے کارناموں کو شیر میسور کی تاریخ شہادت سے منسوب کرنے لگے تاکہ ان کے لیے یادگار ہو مگر افسوس! اب ۴؍مئی کو اس مردِ میدان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی بجائے آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناپاک کوششیں کی جاتی ہیں۔کہیں شیر میسور کے نام سے کوئی کانفرنس ہو تو اس کے خلاف ریلی نکالی جاتی ہے، ملک میں موجود ٹیپو سلطان کے نام سے موجود ہر شئے کے نام کو تبدیل کر کے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔جب کہ میسور کا یہ ببّر شیر ایسا عظیم مرد مجاہد ہے جس نے تن تنہا انگریزوں کو لوہے کے چنے چبوائے تھے اور جو''اولین جدوجہد آزادی'' کا نمائندہ مجاہد تھا۔

بہادر شاہ ظفر: ۱۸۵۷ء کا ایک معمر سپاہی

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفرؔ ایک سچے ہندوستانی تھے اور ان کے سینے میں ایک محب وطن کا دل دھڑک رہا تھا۔ان کے دردمند دل ہونے کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ خود پنشن دار تھے۔پنشن ان کے اپنے اخراجات کے لیے کم پڑتی تھی لیکن انھیں میں سے وہ جمنا کے کنارے رہنے والے مفلسوں کو بھی بلا ناغہ کھانا بھجوایا کرتے تھے۔انہوں نے کبھی بھی اپنے آباو اجداد کی بے عزتی برداشت نہیں کی اور نہ ہی انگریزوں کے سامنے شکست تسلیم کی۔انگریزوں کے سامنے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بادشاہ ہی پیش کیا۔وطن دوستی کا یہ عالم کہ ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھن گیا، یہاں تک کہ ان کے بیٹے اور پوتے (مرزا خضر، مرزا قویش، مرزا مغل، مرزا عبداللہ اور مرزا ابوبکر) تک کو شہید کر کے ان کے سر بادشاہ کے سامنے

... اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب
...ی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے''، پر عمل
...گاپٹنم کی سرزمین پر ہمیشہ کے لیے

تجھ پر سلام
تجھ پر سلام
کا سامان تھا
عنوان تھا
ن نے کھودیا
ں نے کھودیا

...نے کے بعد انگریز کمانڈر نے کہا تھا
...لطان ٹیپو نے شکست نہیں کھائی ہے

...ی تاریخ شہادت

...لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام
...اردو کے نصاب میں شامل میر امّن
...ہیں کہ
...سقوط میسور کی تاریخ ڈالی گئی تاکہ اس
...سلمانوں کی اہم ترین ہزیمت کا دن
...ک اور اہم ترین دشمن سلطان ٹیپو کی
...لج کی باضابطہ داغ بیل ۱۰؍جولائی
...ں نے کالج کے آئین، قواعد، ضوابط

شاہ سمند خان کو قتل کر دیا گیا۔ مفتی
خیرآبادی پر مقدمے دائر کیے گئے
، ایسے عالم میں بھی ان کے ارادے
جا سکتا ہے کہ آپ برطانوی حکومت
ست کا کوئی وجود نہ تھا، وہی بہادر شاہ
ج کے خلاف ہندوستان کی مزاحمت
کو قبول کر چکا تھا۔ ہندوستانی مجاہدین
یا تھا کہ بہادر شاہ ظفر اس جنگ میں
ھی ان کی قیادت کریں گے۔ عملاً یہ
م سب بخوبی واقف ہیں، مگر انہوں
ی نہیں کرتے اور انگریزوں کی مخبری
ور ہندوستان کی تاریخ جدا ہوتی۔
کی قیادت میں تقریباً ساڑھے چار
ں اور آخرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کا عمل
مت قائم ہوگئی۔ ۲۱ ستمبر کو بہادر شاہ
ر ہوتے خصر سلطان کو مسٹر ہڈسن نے
میں سجا کر بادشاہ کے سامنے تحفۃً پیش
ں انہوں نے حسرت و یاس کے عالم

ل قلعے سے
و در سے
ی قبر سے
کے ظفر سے

انقلاب ۱۸۵۷ء اور اردو صحافت

انقلاب ۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی، محبان وطن، شعرا اور ادبا نے بھی حصہ لیا۔ چنانچہ حاتمؔ، قائمؔ، میرؔ، سوداؔ، شیفتہؔ، بہادر شاہ ظفرؔ، مرزا داغ دہلویؔ، اور غالبؔ نے اہل وطن کی بدحالی اور بے چارگی کو اپنے شہر آشوب، رباعی، نظموں اور خطوط میں تحریر کیا ہیں۔ انگریزوں نے دہلی کے مکینوں پر بہت ظلم و ستم ڈھایا جس کے سبب بہت سے اہل کمال نے دلّی سے ہجرت کی۔ سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ، سوزؔ، انشاؔ، جرأتؔ اور دیگر باکمال شخصیات نے لکھنؤ اور دیگر اردو ادب کے دلدادہ شہروں کی جانب رخت سفر باندھا۔ ان کو دلّی سے ہجرت کرنے کا کس قدر قلق ہوا ہوگا؟ اس لیے کہ یہ نامی گرامی شعرا دلّی کی آن بھی تھے اور دلّی کی جان بھی۔ میرؔ کہتے ہیں ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

مفتی صدرالدین آزردہؔ اپنے شہر آشوب ''فغان دہلی'' میں لکھتے ہیں ؎

عیش و عشرت کے سوا کچھ بھی نہ تھا جن کو یاد
لٹ گئے، کچھ نہ رہا، ہوگئے بالکل برباد
ٹکڑے ہوتا ہے جگر سن کے یہ ان کی فریاد
پھر بھی دیکھیں گے الٰہی کبھو دہلی آباد

مرزا داغؔ کے شہر آشوب کا ایک بند ؎

زمین کے حال پہ اب آسمان روتا ہے
ہر اک فراقِ مکیں میں مکان روتا ہے
کہ طفل و عورت و پیر و جوان روتا ہے
غرض یہاں کے لیے اک جہاں روتا ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com/

ں کہی جاتی
ب ہی جاتی
دوجہد آزادی''میں لکھتے ہیں: ''اہل
ندی کے نصف آخر میں ہی میں سلگ
ں غیر یقینیت اور عدم تحفظیت کا سامنا
ے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادی
ں میں قتل عام کا حکم دیا۔اس کے بعد
حملہ کرکے دہلی کو تاراج کیا۔ ۱۸۰۳ء
۱۸۵ء پہلی جنگ آزادی،ص ۱۳)
وتطاول کے چشم دید گواہ تھے،انہوں
ں نکالی اور حب الوطنی اور جذبہ آزادی
غارت گری کا بازار گرم ہوا۔وہ منشی

نکل سکتا،رہا یہ کہ کوئی میرے پاس

چھیلا بھی،ان کی خاندانی امارت چھن
عالم میں انتقال کر گئے۔انہوں نے
چنانچہ انہوں نے اپنے تاثرات،
جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے
لیے شمیم طارق نے جن کی فروری
میں صرف اس نکتۂ خاص کو توجہ کا محور
مزاحمت کاروں کے لیے احترام

بہرحال ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کارگر بنانے میں اردو صحافت نے بھی اپنا تاریخی رول ادا کیا ہے۔انگریزوں کے ملک پر قابض ہونے تک تقریباً پینتالیس اردو اخبارات شائع ہوئے۔صادق الاخبار، دہلی، اردو اخبار (ایڈیٹر محمد باقر)، رفیق ہندی، ہزار داستان (ایڈیٹر محمد سلطان عاقل)، سلطان الاخبار، اودھ پنچ، دبدبۂ سکندری (ایڈیٹر ریاض خیرآبادی) اور بہادر شاہ ظفر کے روزنامچے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان اخبارات کے مدیران اور مالکان کو سزائیں دی گئیں بلکہ دہلی اردو اخبار کے ایڈیٹر محمد باقر (محمد حسین آزاد کے والد) کو دہلی دروازے کے باہر میدان میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔(محمد حسین آزاد، از: نندکشور وکرم،ص ۱۰)

غرضیکہ آزادیٔ ہند میں اردو زبان وادب نے اپنی بے مثال خدمات انجام دی۔اس بات کی دلیل کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ''انقلاب'' کا نعرہ سب سے پہلے اُردو زبان ہی میں دیا گیا اور اُردو کے متوالوں نے اس نعرے کو پورے ہندوستانیوں تک پہنچایا بھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک ہندوستان میں آزادی کے لیے جہد وجہد اور کاوشیں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں۔

دو اہم مسائل

۱۸۵۷ء میں اردو صحافت اور علمائے کرام کا کردار ایک مستقل عنوان ہے جس پر بہت سا کام ہوا ہے اور بہت کچھ ہونا باقی ہے۔مگر اس میں دشواری یہ ہے کہ دہلی سلطنت کے قیام کے بعد حکومت کی سرکاری زبان فارسی رہی اور برٹش حکومت کے قیام کے بعد بھی ۱۸۹۱ء تک سرکاری زبان فارسی ہی رہی اور ایک بڑا مواد فارسی زبان وادب میں موجود ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ برٹش دور میں اردو زبان میں کام بھی حکومتی طور پر شروع ہوا۔نتیجے میں ۱۸۵۷ء پر کثیر مواد ان دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء پر کثیر تعداد میں دستاویزات نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی و بھوپال، اتر پردیش آرکائیوز لکھنؤ والہ آباد، مدھیہ پردیش اسٹیٹ آرکائیوز بھوپال، بہار اسٹیٹ آرکائیوز پٹنہ، دہلی اسٹیٹ آرکائیوز دہلی، کمشنرز ریکارڈس آفس دہلی اور مخطوطات کی شکل میں مواد ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، خدابخش لائبریری پٹنہ، رضا

جستھان اسٹیٹ آرکائیوز بیکانیر میں
ع کے محافظ خانوں میں بھی موجود
پیش ہیں۔ اول تو ان کی بقا کا مسئلہ
اور نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی
ں ہے جس کے نتیجے میں اتنے اہم
ں اور موسم وحرارت کے تغیر کے سبب
ت کے مطالعہ کا ہے۔ یہ دستاویزات
م ہے۔ اردو سے ماسٹر ڈگری ہونے
ہیں۔ لہٰذا اردو ادب کے ایسے فعال
رو میں خط نستعلیق میں اور دنیا کی بیشتر
دہ کر سکے اور جانے کہ ہند کی آزادی
ہ خون مسلمانوں کا بہایا گیا ہے۔

تی

ں اور عزت وآبرو کا خیال کئے بغیر
ں میں خاص طور پر علامہ فضل حق
ابونی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی
اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر
مرادآبادی اور مولانا رضا علی خاں
ہندوستانی اپنی ہتھیلیوں پر سروں کا
ے مگر افسوس یہاں بھی بعض وجوہات
وں نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی
لیے اس کا خمیازہ صرف اور صرف

مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ انگریز اپنے انتقام میں ایسے اندھے ہو گئے کہ انھیں برادرانِ وطن کا خیال ہی نہیں رہا، انھیں اعزازی نوکریاں ملنے لگیں اور مسلمان ہر جگہ سے بے دخل کئے جانے لگے۔ مختصر یہ کہ بغاوت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں ہی کے حصے میں آئی ؎

آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پس دیوار گرے

ظلم وجبر کی لرزہ خیز داستان

۱۸۵۷ء کی بغاوت کو کچلنے میں انگریزوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ چنانچہ علامہ فضل حق خیرآبادی ''الثورۃ الہندیہ'' میں رقمطراز ہیں:

''اس ابتلائے عظیم میں پردہ نشین خواتین پیدل نکل کھڑی ہوئیں، ان میں بوڑھی اور عمر رسیدہ بھی تھیں، جو تھک کر عاجز ہو گئیں۔ بہت سی خوف سے جان دے بیٹھیں اور پچاسوں عفت و عصمت کی بنا پر ڈوب کر مر گئیں، اکثر پکڑ کر قیدی بنائی گئیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئیں۔ کچھ کو بعض رذیلوں نے لونڈیاں بنالیا اور بعض چند ٹکوں کے بالعوض بیچ ڈالی گئیں۔ بہت سی بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر مر گئیں۔ بہت سی ایسی غائب ہوئیں کہ پھر نہ تو لوٹ کر ہی آئیں، نہ ان کا کچھ پتہ ہی چل سکا۔ ہزاروں عورتیں اپنے سرپرستوں، شوہروں، باپوں، بیٹوں اور بھائیوں سے جدا کر دی گئیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہت سی صبح کی سہاگن عورتیں شام کو بیوہ بن گئیں اور شب کو آغوشِ پدر میں سونے والے بچے صبح کو یتیم ہو کر اُٹھے۔ کتنی ہی عورتیں اپنی اولاد وغیرہ کے غم میں گریہ وزاری کرتی تھیں اور کتنے مردوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ شہر چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ جنگل بن گیا تھا۔'' (باغی ہندوستان، ص ۵۱۔۵۳)

۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۷ء تک انگریزوں نے علما کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ ایک انگریز فوجی افسر ہنری کوٹن (Henry Cotton) بیان کرتا ہے کہ ''دہلی دروزہ سے پشاور تک گرینڈ ٹرنک روڈ کے دونوں ہی جانب شاید ہی کوئی خوش قسمت درخت ہوگا جس پر انقلاب ۱۸۵۷ء کے ردّعمل اور اسے کچلنے کے لیے ہم نے ایک یا دو عالمِ دین کو پھانسی پر نہ لٹکایا ہو۔

ی گئی۔"
رخ لکھتا ہے کہ "ایک اندازہ کے
ں دی گئیں۔جو بھی معزز مسلمان
ت کے نیچے لے گئے۔پھندا اس کی
دے میں جھول گئیں،آنکھیں اُبل
صیرت وقیادت،ص ۸۰)
پر چڑھائے گئے۔دہلی میں چاندنی
ں پر علما کی گردنیں نہ لٹکی ہوں۔علما کو
ں ڈالا گیا۔علما کے جسموں کو تانبوں
ھا گیا اور ہاتھیوں کو پھر چلا دیا جاتا۔
" نامی کتاب میں لکھتا ہے کہ ہاتھیوں
ن انگریزی کے آٹھ (8) کے جیسا
ے کرام کو پھانسی دی جاتی تھی۔لاہور
یا جاتا اور اوپر سے گولیاں چلائی
ں سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔
ہیں ہم
امتحاں ہمارا
ہم نے چھوڑا
جواں ہمارا
محفلوں میں
ندوستاں ہمارا
ان بدر جلیل مجاہدین کا تذکرہ کیا جا
ں انجام دیئے۔

علامہ صدرالدین آزردہؔ دہلوی: جنگ آزادی کے عظیم قائد وجرنل

سرمایۂ نازشِ ہندوستان مفتی صدرالدین آزردہؔ دہلوی (متولد ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۹ء۔ متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) کے آباواجداد کشمیر کے تھے مگر آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔مفتی صدرالدین آزردہؔ تمام علوم نحو،صرف،منطق،حکمت،ریاضی،معانی،بیان،ادب ،انشا،فقہ،حدیث،تفسیر وغیرہ میں یدِطولیٰ رکھتے تھے اور درس دیتے تھے۔آپ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۵۷ء تک دہلی کے صدر امین اور صدر الصدور رہے۔آپ کا دولت کدہ اس وقت کے اکابر علما وفضلا وادبا وشعرا کا مرکز تھا۔مفتی صاحب کے حلقے میں علامہ فضل حق خیرآبادی، مولوی امام بخش صہبائیؔ، علامہ عبداللہ خان علوی، حکیم مومن خان مومنؔ، مرزا اسداللہ خاں غالبؔ، نواب ضیاء الدین خاں نیرؔ، شاہ نصیرالدین نصیرؔ، شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ، حکیم آغاجان عیشؔ، حافظ عبدالرحمن خاں احسانؔ اور میر حسن تسکینؔ جیسے سخنوران باکمال، کہنہ مشق شاعر وادیب تھے۔

"گلِ رعنا" میں صفحہ ۲۲۷ پر حکیم عبدالحیٔ رائے بریلوی لکھتے ہیں کہ "جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔"(چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء ، ص ۴۱) آپ کی جامعیت،قوت حافظہ،حسن تحریر،متانت تقریر،فصاحتِ بیان، بلاغتِ معانی اور فنون ادبیہ میں کامل دسترس کا اعتراف کرتے ہوئے حکیم عبدالحیٔ لکھتے ہیں کہ "سرزمین ہند میں اس جامعیت کے دوچار ہی ایسے اشخاص ہوئے ہوں گے۔اس کے ساتھ مزاج دیکھو تو خلق مجسم اور لطفِ مصور،علم وکمال میں بقول شیفتہؔ "در فنون ادبیہ ثانی اعشیٰ وجریر ست ودر مراتب حکمیہ ثالث باقر ونصیر۔"(مرجع سابق،ص ۴۴)

مفتی صدرالدین آزردہؔ صاحب ایک طرف جلیل القدر عالم دین تھے تو دوسری طرف آبروئے شہر تھے۔آپ کی بصیرت وقیادت اور علمی استعداد کا سکّہ پورے ملک میں قائم تھا۔"تاریخ عروج انگلشیہ" میں صفحہ ۱۷۶ پر منشی ذکاءاللہ دہلوی جامع مسجد دہلی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "دہلی کی جامع مسجد جو شہر کی تمام مسجدوں کی ناک تھی انگریزوں نے ایسے نکٹا

انھیں دنوں ''صادق الاخبار'' دہلی میں مورخہ ۲۶؍جولائی ۱۸۵۷ء میں چھپی تھی۔ یہ اخبار نیشنل آرکائیوز میں محفوظ ہے۔ اس فتویٰ کو عکس ''سوتنتر دہلی''، ہندی اور ''نوائے آزادی'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ (مرجع سابق، ص ۵۶)

مفتی صدرالدین آزردہ صاحب کا ایک بڑا سیاسی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جنگ آزادی کے مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی کو یہ مشورہ دیا کہ آپ دہلی کی بجائے آگرہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنائیں۔ پھر آپ ہی نے اپنے خط کے ذریعے شاہ صاحب کا تعارف آگرہ کے ان زعما و علما سے کرایا جو ایک طرف سرکاری حلقوں میں باوقار تھے تو دوسری جانب قومی و ملی کارکنوں کا اعتماد ان کو حاصل تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے تعارفی خط نے اساس و بنیاد کا کام کیا۔ دارالحکومت آگرہ کے اعلیٰ سیاسی طبقہ میں ایک غیر معروف شخص کے لیے رسوخ اور اعتماد حاصل کرنے کی کٹھن منزل جو سالہا سال میں طے ہوتی مفتی صاحب کا مکتوب گرامی اور سیاسی حلقوں میں مفتی صاحب کا گہرا تعلق ہی تھا جس نے اس کو نہایت آسانی سے چند لمحوں میں طے کرا دیا۔ آپ کا درِ دولت جس طرح سے عام حالات میں مرجع رہا کرتا تھا اس وقت بھی انقلابی عناصر کا پناہ گاہ بنا رہا۔ انگریزوں کے سب سے خطرناک دشمن جن کو مجاہدین کہا جاتا تھا جن کی انگریز دشمنی کسی وقتی اور ہنگامی ناگواری کی بنا پر نہیں تھی بلکہ ان کی حریت پسند فطرت نے اس کو عقیدہ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ ان سربکف مجاہدین کا ہجوم جس کے درِ دولت پر رہتا تھا وہ مفتی صدرالدین صدرالصدور ہی تھے۔

مفتی صاحب کو ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کے ہنگامۂ فساد میں بہت سخت صدمہ اٹھانا پڑا۔ تعلق روزگار بھی ہاتھ سے گیا اور تمام جائداد و املاک بھی جو آپ نے تیس سالہ ملازمت کے دوران جمع کی تھی ضبط ہو گئی بلکہ جہاد کے فتویٰ کے الزام میں چند ماہ تک جیل خانہ میں بھی بند رہے۔ چوں کہ آپ کا قصور ثابت نہ ہو سکا اس لیے رہا کر دیئے گئے۔ اکیاسی سال کی عمر میں بمرض فالج ۱۶؍جولائی ۱۸۶۸ء کو مفتی صاحب کا انتقال ہوا اور چراغ دہلی میں احاطۂ حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلوی میں تدفین عمل میں آئی۔

اجتماع ہوتا تھا۔ غالبؔ، صہبائی، مومنؔ، آزردہ، احسانؔ، نیرؔ، نثارؔ، شیفتہؔ، ضمیرؔ، ممنونؔ، نصیرؔ، وغیرھم۔ اور علما میں وقت کے جید اور جلیل القدر علماء کا جم غفیر ہوتا تھا۔

علامہ عبدالشاہد شیروانی لکھتے ہیں کہ ''اندازہ لگایئے کہ اکبر بادشاہ کے شاہی دربار سے یہ دربار کسی طرح کم تھا؟ بادشاہ نے لاکھوں روپئے صرف کر کے نورتن جمع کیے تھے اور ان شاہان علم نے اپنے حسن اخلاق سے سینکڑوں باکمال حضرات کو درباری بنالیا تھا۔'' (باغی ہندوستان، ص ۱۶۲۔ ۱۶۳)

انقلاب ۱۸۵۷ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی نے کلیدی رول ادا کیا۔ مولانا محمد شاہد شیروانی، علامہ یاسین اختر مصباحی اور مولانا خوشتر نورانی صاحب نے علامہ کی انقلابی سرگرمیوں کا تذکرہ مختلف حوالاجات سے اس طرح کیا ہے۔ علامہ نے دہلی کے مرکز جہاد میں بھی حصہ لیا اور اودھ کے مرکز جہاد میں بھی۔ معرکۂ ستاون کے دوران بہادر شاہ ظفر کو علامہ مخلصانہ مشورہ دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد کی بنا پر جو اسے علامہ کے اخلاص اور ان کی اصابت رائے پر تھا، ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔ (مختلف دستاویزات) مجاہدین کی اعانت روپے اور سامان رسد سے، اہل کار حکام کا تقرر، مال گزاری کی تحصیل کا انتظام اور ہمسایہ والیان ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کی دعوت کے لیے لال قلعہ کے دارالانشاء (سیکریٹریٹ) سے علامہ کے حکم سے بہت سے پروانے جاری ہوئے۔

دہلی پر انگریزوں کا کامل تسلط ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا اور مغل بادشاہت برائے نام رہ گئی تھی۔ ستاون کا انقلاب برپا ہونے کے بعد علامہ نے بہادر شاہ کی شہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت میں تبدیل کرنے کے لیے باقاعدہ ایک دستور العمل بنایا جس کا نفاذ بھی عمل میں آیا تھا اور آپ کا یہ ''دستور العمل سلطنت''، ''سیاست نامہ'' اور ''البدور البازغہ'' کی سی اہمیت اور قدر و قیمت کا حامل تھا جو اگست ۱۸۵۷ء کے آخری عشرے میں بن گیا تھا۔ (۱۸۵۷ء پس منظر و پیش منظر، ص ۲۲۱)

غیر ملکی غاصبوں کے خلاف اہل وطن کی متفقہ جد و جہد کے لیے علامہ نے ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ علامہ دیگر علمائے دہلی کے ساتھ جلسے کر کر کے ترغیب جہاد کے لیے وعظ کرتے رہے کہ حملے کی شکل میں دارالاسلام کو بچانے کی فکر و کوشش شرعاً واجب

آبادی:
ے محرک اوّل

ل حق خیرآبادی (متولد ۱۲۱۲ھ/
صدر الصدور حضرت علامہ فضل امام
کے علاوہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث
بیت حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں
م تھے۔ عربی زبان کے مانے ہوئے
اور ان سب سے بالا یہ خصوصیت تھی
مسند درس پر بیٹھ کر علوم و فنون کی تعلیم
تھے۔ آپ بہادر و شجاع بھی تھے۔
ے عہدوں پر فائز رہے۔
ے ہوئے اپنی معروف کتاب ''آبِ
ی مرزا غالبؔ کے دیوان سے مشکل
ی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے

کیم سید عبدالحیٔ صاحب لکھتے ہیں:
کے کان کھڑے ہوگئے، مولانا حالی
ے دوثلث کے قریب اشعار نکال
ع، ص ۲۱۳)
ل حق کے یہاں اور دوسرے مفتی
بار میں آٹھویں روز شعرائے دہلی کا

Presented by: https://jafrilibrary.com/

مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی، دہشت اور خوف یہ ایسی چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔ آپ نے بھرے مجمع میں حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر دی، وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ چنانچہ آپ کو کالا پانی کی سزا ہوئی۔

علامہ فضل حق خیرآبادی امام الحکمۃ والکلام اور قائد جنگ آزادی ہونے کے ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ دو درجن آپ کی تصانیف ہیں۔ منطق وفلسفہ کے دقیق فنی مباحث پر آپ کی کئی ایسی تصانیف وحواشی ہیں جنھیں آج چند علما ہی سمجھ پائیں گے۔ علامہ صاحب نے قید تنہائی میں رہتے ہوئے ''الثورۃ الہندیہ'' (باغی ہندوستان) تحریر کی جو انقلاب آزادی کا ایک مستند ترین ماخذ ہے۔ ''الثورۃ الہندیہ'' اور ''قصائد فتنۃ الہند'' (منظوم) کو علامہ نے جزیرۂ انڈمان (کالا پانی) سے ۱۸۶۰ء (۱۲۷۷ھ) میں بذریعہ حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی اپنے فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی کے پاس کوئلہ اور پنسل سے کپڑا وغیرہ پر لکھ کر بحفاظت تمام بھیجا تھا۔ اس کتاب پر مولانا ابوالکلام آزاد نے تعارف لکھا اور مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی نے ۱۹۴۶ء کو ترجمہ کر کے شائع کیا۔ بعد ازاں المجمع الاسلامی مبارک پور سے حواشی اور بعض اہم مضامین کے اضافے کے ساتھ ''باغی ہندوستان'' کی اشاعت عمل میں آئی۔

جس دن آپ کے صاحبزادے اور معتقدین رہائی کا پروانہ لے کر کالا پانی پہنچے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی، بڑا ازدحام تھا، معلوم ہوا کہ ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء کو علامہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب سپردِ خاک کرنے جا رہے ہیں۔ یہ بھی بصد حسرت ویاس شریک دفن ہوئے اور بے نَیلِ مَرام واپس لوٹے:

قسمت کی بدنصیبی! کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

علامہ صاحب کی قبر انڈمان کے ساؤتھ پوائنٹ (جسے عرف عام میں نمک بھٹہ کہتے ہیں) کی ایک ایسی بستی میں ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔ (علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء، ص ۱۰۴)

آپ پر کئے گئے ظلم وستم کی لرزہ خیز داستان بتاتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

ی کی۔ بہادر شاہ نے جنگ کے ایام
مہ بھی تھے۔ (دی گریٹ ریولیوشن
ء، ص ۱۳۱) علامہ نے سلطنت کا جو
نتظمہ تشکیل دی گئی، جس کا ڈائرکٹر
ومت کا قبضہ ہو جانے کے بعد علامہ

ں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا۔
فوجی بگڑ بیٹھے تھے۔ علامہ عبدالشاہد

ے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے
منے تقریر کی۔ استفتا پیش کیا۔ مفتی
وی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر
ں نے دستخط کیے۔ اس فتویٰ کے شائع
ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ (تاریخ ذکاء

پوری طاقت وقوت کے ساتھ حملہ کیا
لیے گئے۔ ۱۸۵۹ء میں علامہ فضل حق
بل خود علامہ صاحب بحث کرتے
کرتے اور پھر خود مثل تارِ عنکبوت عقلی
تھا اور ان سے ہم دردی بھی تھی۔
ئیں گے۔ غدر کے بعد نہ جانے کتنے
مارے مارے پھر رہے تھے۔ لیکن
یمان نہیں تھے۔ آپ نے سوچ سمجھ
رداشت کرنے کے لیے آپ حوصلہ

بلند ومضبوط، ناموافق ہوا والے پہاڑ
ر گزار راہیں اور گھاٹیاں تھیں، جنھیں
گرم وتیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کی
زیادہ کڑوی، اس کا پانی سانپوں کے
کا مخزن تھی۔ مرض سستا اور دوا گراں۔
ھال پھٹنے اور چھلنے لگتی ہے) عام تھی
خار موت کا پیغام، مرض سرسام اور
ہے۔ بہت مرض ایسے ہیں جن کا کتب
نتوں کو تنور کی طرح جلاتا اور مریض کی
ہے۔ مرض نہ پہچانتے ہوئے دوا پلا کر
میں سے مرجاتا ہے تو نجس وناپاک
ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل وکفن کے
ہے نہ اس کی قبر کھودی جاتی ہے، نہ نماز
ن کی خودکشی مذہب میں ممنوع اور
یہاں قید ومجبور بنا کر تکلیف مالا یطاق
باغی ہندوستان، ص۷۹)

میں
وسیاسی کارنامے

۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں مولوی محلہ
ہ کے زیر سایہ تعلیم پا کر عالم وفاضل
بدایونی قدس سرہ نے آپ کی مکمل
عقلیہ سے فارغ ہونے کے بعد درس
حیثیت کے مالک تھے۔ شاعری کا
شاہ عبد الحمید عثمانی بدایونی خلیفۂ شمس

العارفین حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ سے آپ کو بیعت وارادت کے ساتھ خصوصی فیضان حاصل ہوا۔ بدایوں میں سلسلۂ تدریس کے بعد صدر نظامت آگرہ میں پیش کار اور پھر بورڈ آف ریونیو میں سررشتہ دار ہوئے۔ لفٹننٹ گورنر سر ولیم میور نے آپ سے عربی سیکھی۔ ثروت ووقار کے باوجود دل فقیرانہ اور مزاج شاہانہ تھا۔ اہل وطن (بدایوں) کی آپ بڑی مدد کرتے تھے۔ وسیع اخلاق کے مالک تھے۔ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہب نے بھی فروغ پایا۔ انگریزوں اور پادریوں نے ہندوستان کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کمپنی کی تائید واعانت سے مذہب مسیحی کی تنظیم اور ترقی عمل میں آئی۔ ملک کے طول وعرض میں اس تنظیم کے آثار قائم کئے گئے۔ چرچ مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ اور مدارس جگہ جگہ قائم کئے گئے۔ مذہبی کتابوں اور رسائل کی اشاعت کے ذریعہ ہندوستانیوں کے رجحانات وعقائد سلب کرنے کی کوشش کی گئی۔ غرض یہ وہ زمانہ تھا کہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ پادری فنڈر (Fonder.Revd C.C.D) یورپ سے ہندوستان آیا، یہاں اس نے دل شکن تقریروں کا سلسلہ شروع کیا اور اس کی کتاب ''میزان الحق'' نے خوف وہراس پیدا کیا۔ پادری فنڈر نے آگرہ کو مناظرہ کا گڑھ ٹھہرایا۔ کیوں کہ آگرہ ہی اس وقت علما کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ پادری کا خیال تھا کہ اگر یہاں کسی طرح فتح ہوگئی تو عیسائیت کی تبلیغ میں بڑی مدد ملے گی۔ اس نے مشاہیر علما کو چیلنج دیا۔ ۱۰/ اپریل ۱۸۵۴ء آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس ہوا۔ اہل اسلام کی جانب سے مذہب عیسوی کے مشہور ماہر ومناظر مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مناظر دوم ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی تھے۔ مولانا فیض احمد بدایونی ان کے دست راست اور معاون ومددگار رہتے۔ تین روز تک مناظرہ ہوا۔ پادری فنڈر کو انجیل کی تحریف کا اقرار کرنا پڑا اور اس نے شکست فاش کھائی اور آگرہ سے راہ فرار اختیار کر کے سیدھا یورپ پہنچا۔ اس تاریخی مناظرہ میں مولانا فیض احمد بدایونی نے ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی کو ہر طرح مدد دی۔

ہندوستان کی قابل فخر تاریخی جامع مسجد آگرہ کا اس زمانہ میں عجیب حال تھا، اکثر حصے پر لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا، بیچ کے حصے میں صرف ستر اسّی نمازی نماز ادا کر سکتے تھے۔ باقی

وزارت میں شامل ہوئے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ: ''احمد اللہ شاہ صاحب کی شہادت کے بعد سرکردہ مجاہدین منتشر ہو گئے۔کانپور، فرخ آباد، مرادآباد، بدایوں، بریلی اور شاہجہاں پور وغیرہ پر مکمل طور پر انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا۔مخبروں کی بن آئی تھی۔۔۔۔۔۔فیروز شاہ شہزادہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مکہ معظّمہ پہنچے۔مولانا فیض احمد کے متعلق مشہور ہے کہ نیپال کی طرف چلے گئے۔'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی، ص ۵۳)

بعد کے حالات کا کچھ علم نہیں کہ آپ پر کیا گذری، کہاں اور کس طرح آپ کا انتقال ہوا؟ آپ کے ماموں مولانا فضل رسول بدایونی نے آپ کی تلاش میں قسطنطنیہ تک سفر کیا مگر کہیں سراغ نہ لگ سکا۔اس طرح مولانا فیض احمد بدایونی نے دینی اور سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں
مولانا سید کفایت علی کافؔی کا مجاہدانہ کردار

مجاہد آزادی مولانا سید کفایت علی کافؔی مرادآبادی (شہادت ۲۲؍رمضان ۱۲۷۴ھ/ ۶؍مئی ۱۸۵۸ء) عالم وفاضل اور بہترین طبیب وشاعر تھے۔شاہ ابوسعید مجددی رامپوری سے آپ نے درس حدیث لیا اور مشہور شاعر ذکؔی مرادآبادی (شاگرد امام بخش ناسخؔ) سے فن شاعری سیکھا۔۱۸۴۱ء میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی جس کی یادگار ''تجمل دربار رحمت'' ہے۔اس کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔مثلاً: ترجمہ شمائل ترمذی (منظوم)، مجموعۂ چہل حدیث (منظوم) مع تشریح، خیابان فردوس، بہار خلد، نسیم جنت، مولود بہار، جذبۂ عشق اور دیوان کافؔی۔آپ کی نعتیہ شاعری اور جذبۂ عشق رسول کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم

سجد کی دکانیں بنیوں کے پاس رہن
یا گیا، دکانیں خالی کرائی گئیں، کبوتر
سجد کے انتظام کے لیے لوکل ایجنسی
سجد آگرہ کا انتظام ہے۔مولانا فیض
ران میں بیشتر کے مسودات انقلاب
الجاہل مطبوعہ ۱۲۶۹ھ۔المقامۃ
۱۲ھ آپ کی تحریری یادگاریں ہیں۔
ا تو اس کا فوری اثر آگرہ پر پڑا جو
وزیر خاں اکبرآبادی اور مولوی فیض
اں کے ساتھ دونوں سرپرستوں نے
بادی، مفتی صدرالدین آزردہ، مفتی
رہ بالا حضرات کی موجودگی اور فتویٰ
ے ہزاروں افراد مجاہدین میں شامل
۱۴، بحوالہ: چند ممتاز علمائے انقلاب

کے دہلی پہنچے اور یہاں جاری جنگ
بہادر شاہ ظفر کے پیش کار رہے اور
کے بعد دہلی سے واپس چلے گئے۔
) کے معرکے میں جنرل بخت خاں
جنگ میں مارا گیا۔یہاں کی پسپائی
الفقار خاں ولد حافظ رحمت اللہ خاں
احمد اللہ شاہ مدراسی کے ساتھ بھی آپ
راسی کے ساتھ شاہجہاں پور (قصبہ
میں اپنی حکومت قائم کی تو ان کی

’ ہیں رضاؔ
وزیراعظم

۱۸ء میں انگریزوں کے خلاف سینہ
قائدین میں پیش پیش تھے۔نواب
دآباد میں آزاد حکومت قائم ہوئی تو
ام کے مطابق مقدمات کے فیصلے کیا
کے خلاف فتوائے جہاد جاری کیا اور
پر آپ خود تشریف لے گئے۔آنولہ
سے آپ بریلی پہنچے اور نواب خان
خیال کیا۔پھر بریلی سے دہلی کے
حتی میں برسرِ پیکار تھی اس کے ساتھ
سے ڈر کر میرٹھ اور نینی تال فرار
نتظامات کے لیے ایک جنگی مشورتی
لیے ذرائع و وسائل بھی فراہم کرے
م جہاد کو ناکام بنانے کے لیے نواب

باد کی جنگ آزادی کی ناکامی کے دو
تھی جو جنگ پر قابو پاتی۔دوسرے
وشاں تھے۔ان وجوہات کی بنا پر
روں کی مدد سے انگریز دوبارہ ۲۴ر
قابض ہوگئے،انگریزوں نے بے
طریقے پر شہید کر دیا اور پھر عیسائی
ھی فراموش نہیں کرسکتی۔اس وقت

انگریزوں نے غداروں کو ایک اور لالچ دے رکھا تھا کہ جو شخص کسی بھی مجاہد کو گرفتار کرائے گا اور پھانسی دلوائے گا اس کی جائیداد کا بڑا حصہ اس غدار کو دیا جائے گا۔اس لالچ کا یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی مجاہد ایسا نہیں بچا جس کو غداروں نے گرفتار کروا کے پھانسی نہ دلوادی ہو۔جتنے بھی ساہوصاحبان ہیں یہ اسی غداری کی پیداوار ہیں۔لہٰذا مولانا کافیؔ کی بھی مخبری ایک کمینہ صفت انسان فخر الدین کلال نے اس شرط پر کردی کہ گرفتاری کے بعد انعام میں مولانا کی تمام جائیداد اس کو دے دی جائے۔

۳۰ر اپریل کو مولانا صاحب کی گرفتاری کے بعد فوری کارروائی مقدمہ شروع ہوا۔انگریزی کورٹ کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی ملزم کے بیان کو جس طرح چاہے تحریر کردے۔ملزم کو بیان دیکھنے یا وکیل کرنے کا حق نہیں تھا اور نہ کوئی صفائی پیش کرنے کی اجازت تھی۔اس وقت انگریزوں نے ایک کمیشن قائم کیا تھا جو مقدمات کی سرسری سماعت کرکے سزا سنایا کرتا تھا۔ ۴ر مئی ۱۸۵۸ء کو مولانا کافیؔ کا مقدمہ ظالم و جابر انگریز مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوا اور بہت جلد اس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔(اخبار الصنادید، بحوالہ: چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص۹۶)

مولانا عبدالمالک مصباحی لکھتے ہیں: ’’جسم نازنین پر گرم گرم استری پھیری گئی، زخموں پر نمک چھڑکا گیا، اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے انگریزوں نے ہر حربہ استعمال کیا مگر ناکام رہے۔آخر کار مرادآباد کے ایک چوک میں برسرِ عام آپ کو تختہ پر لٹکا دیا گیا۔‘‘ (خطبات اسلام، ص ۲۳۰)

مقدمہ کی پوری کارروائی صرف دو دن میں پوری کردی گئی۔ ۴ر مئی کو مقدمہ پیش ہوا اور ۶ر تاریخ کو حکم لگا دیا گیا اور اسی وقت پھانسی لگا دی گئی۔(مرادآباد: تاریخ جدوجہد آزادی، بحوالہ: چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص۹۷) جس وقت مولانا کافیؔ کو قتل گاہ لے جایا جا رہا تھا اس وقت آپ اپنی ایک نعت شریف پڑھتے ہوئے خراماں خراماں تشریف لے گئے ؎

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا

Presented by: https://jafrilibrary.com/

انقلاب کے روشن ابواب ہیں۔احمد علی نام،ضیاء الدین لقب اور دلاور جنگ خطاب ہے۔ اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کے ساتھ جب مولانا مدراسی کہیں نکلتے تو ایک دستہ نقارہ اور ڈنکا پیٹتا ہوا ساتھ ساتھ چلتا تھا اسی لیے آپ کو''ڈنکا شاہ'' اور''نقارہ شاہ'' بھی کہا جاتا تھا ۔عہد شباب ہی میں آپ پر فقر وتصوف کا غلبہ ہوا اور ریاضت ومجاہدہ کے لیے گھر بار چھوڑ کر حیدرآباد دکن اور مدراس وغیرہ ہوتے ہوئے انگلستان پہنچ گئے، وہاں سے مصر گئے اور پھر حجاز پہنچ کر حج وزیارت کے بعد ترکی، ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے ۔بیکانیر وسانبھر میں بارہ سال تک ریاضت ومجاہدہ اور چلہ کشی کی۔ پھر جے پور آ کر میر قربان علی شاہ چشتی کے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ یہاں سے ٹونک گئے اور پھر گوالیار میں محراب شاہ قلندر گوالیاری کی خدمت میں پہنچے اور اس حکم کے ساتھ آپ کو محراب شاہ نے اجازت وخلافت دی کہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے ہر حال میں آزاد کرانا ہے۔حضرت قربان علی شاہ چشتی جے پوری اور حضرت محراب شاہ قلندر قادری گوالیاری سے چشتی وقادری خلافت پا کر آپ چشتیت وقادریت کا سنگم بن گئے۔ چنانچہ اپنے مرشد کے وعدے کی تکمیل کے ارادہ سے آپ تقریباً ۱۸۴۶ء میں گوالیار پہنچے۔دہلی کے مشاہیر علما ومشائخ سے آپ نے ملاقات وگفتگو کی۔مفتی صدرالدین آزردہؔ نے مشورہ دیا کہ اس مہم کے لیے ماحول سازی آگرہ کے اندر بہتر اور مؤثر طریقے سے ہوسکتی ہے۔ساتھ ہی مفتی آزردہؔ صاحب نے مفتی انعام اللہ خان بہادر (سرکاری وکیل آگرہ، ساکن گوپامئو ضلع ہردوئی) کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا۔آگرہ پہنچ کر آپ نے دینی وعلمی شخصیات اور سربرآوردہ حضرات سے رابطہ قائم کیا۔آپ کا اثر روز بروز بڑھتا اور پھیلتا گیا۔''مجلس علما آگرہ'' قائم کرکے آگرہ کے علما کو آپ نے مربوط ومنظم کیا، اس طرح علما آپ کے دست وبازو بن گئے۔مولانا صاحب نے اپنے اثر ورسوخ سے دیسی فوج کی تمام رجمنٹوں میں کمیٹیاں بنا دی تھیں، قاصد تیار کئے اور سپاہیوں کی آدھی رہائش گاہوں پر آدھی رات کو خفیہ کانفرنسیں کرواتے۔ میلسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ نئے کارتوسوں کے بارے میں دیسی سپاہیوں کو معلومات مولانا مدراسی نے ہی دی۔ (چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص ۱۰۴)

رہ جائے گا
نازاں نہ ہو
رہ جائے گا
گے لیکن یہاں
رہ جائے گا
کے اوپر دُرود
رہ جائے گا
یکن حشر تک
رہ جائے گا
جع سابق ۹۴۔۹۵)

مجمع عام کے روبرو پھانسی دی گئی اور وم ابن حضرت حاجی مولوی سید نعیم م سے نکالی جارہی تھی اور مولانا کاتی تھے کہ مولانا کی قبر کھل گئی اور مزدور کا ا ہی تھا جیسا شہادت کے وقت تھا۔ ک کا رخ تبدیل کر دیا جس کی وجہ میں کیا گیا۔

شاہ مدراسی:
سالار اعظم

۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۷ء۔شہید ۱۲۷۴ھ/ نا جنوبی ہند کے نواب محمد علی مشیر و ہ کے قطب شاہی خاندان سے تھا۔ جاعت ومردانگی تاریخ ہند اور تاریخ

جس کا جواب نہ تھا۔تلوار کے ہاتھ ایسے بچے تُلے ہوتے جس کی دھوم تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جامع مسجد میں آپ کے زمانے میں جتنے آدمی جمع ہو گئے اتنے دیکھنے میں نہیں آئے۔'' (مرجع سابق،ص ۱۰۷)

مولانا مدراسی پوائیں (شاہجہاں پور) پہنچے، راجہ بلایو سنگھ نے غداری کی، راجہ بلدیو سنگھ نے آپ کا سرمبارک ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ءکوتن سے جدا کر کے آپ کو شہید کر دیا، بلدیو سنگھ کو انگریزوں نے پچاس ہزار روپئے کا انعام دیا۔سرمبارک عرصہ تک شاہجہاں پور کوتوالی میں لٹکا رہا اور جسم کو آگ میں پھونک دیا گیا۔مولانا مدراسی کی شہادت کے ساتھ ہی انقلاب ۱۸۵۷ء کا یہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری ''جنگ آزادی ۱۸۵۷'' مطبوعہ کراچی میں لکھتے ہیں کہ: شاہ احمد اللہ صاحب کی شہادت پر روہیل کھنڈ کی ہی جنگ آزادی نہیں بلکہ درحقیقت ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ختم ہو گئی۔ (مرجع سابق ۱۱۳) مولانا مدراسی کی شہادت کے بعد انگریزوں کا عام تاثر یہ تھا کہ شمالی ہند میں ہمارا سب سے بڑا دشمن اور سب سے خطرناک انقلابی ختم ہو گیا۔

انگریز مؤرخ جی ڈبلیو فارسٹر لکھتا ہے: ''یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا، روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا، جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔۔۔۔۔ظلم طبیعت میں نہ تھا، ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔'' (ہسٹری ڈی انڈین میونٹی، بحوالہ: مرجع سابق، ص ۱۱۳۔۱۱۴)

انگریزوں نے برملا اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ: باغیوں میں وہ ہی بادشاہت کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھا۔ (مرجع سابق، ص ۱۱۵) اس طرح شاہ صاحب کا بارہ سالہ جہاد کا سفر اختتام پذیر ہوا۔

تھا۔جگہ جگہ آپ کے تبلیغی واصلاحی
حلقات واثرات کا دائرہ کافی وسیع
بدہ ہو گئے۔آپ کے عزائم اور آپ
نگریز مخالف سرگرمیوں نے سرکاری
(میٹھی، لکھنؤ) کی شہادت پر لکھنؤ
۔انقلاب ۱۸۵۷ء رونما ہوا تو جیل
مف لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور اپنا اقتدار
پر بٹھایا اور بہادر شاہ ظفر کے نائب
کمپنی اور حضرت محل کے کئی محاذ پر

گرہ کے بعد میرٹھ، پٹنہ، کلکتہ وغیرہ
کا دائرہ کافی وسیع کر لیا۔''تحریک
ناشاہ احمد اللہ کا نام سرفہرست آتا
وت کے لیے عوام کو آمادہ کر رہے
نے انگریزوں سے گھمسان کی جنگ
راسی، شہزادہ فیروز شاہ، جنرل بخت
ی وغیرہ نے اپنی حکومت قائم کر لی
کمانڈر۔خلافت راشدہ کی اتباع
کے نام کا جاری ہوا۔'' (چند ممتاز

انڈیا کمپنی اور باغی علما'' میں لکھتے
عصر قلعہ اکبرآباد کے میدان میں
ایا کرتے۔خود بھی ایسا نشانہ لگاتے

...وروی:

...راموش کردہ مجاہد

...۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء۔متوفی ۱۲۷۹ھ/
...ی نانیہال کاکوری (لکھنؤ) میں اپنے
...یوہ اور کاکوری میں ابتدائی تعلیم کے
...ں کے بعد دہلی میں شاہ محمد اسحق اور علی
...ر دیگر علوم پڑھ کر علی گڑھ میں مدرس
...روی نے سرکاری ملازمت بھی کی ۔
...وہ) میں بھی منصف رہے، پھر صدر
...ے اور کئی ایک دینی وعلمی کتابیں بھی
...جلسۂ تائید دینِ متین‘‘ قائم کرکے
...صلاحی انجمن کہا جاتا ہے۔۱۸۵۷ء
...ف کی تیاری جاری تھی کہ ماہ مئی میں
...یں انقلابیوں کے ہمنوا ومعاون بلکہ

...ف جہاد پر مشتمل ایک فتویٰ بریلی
...کے دستخط تھے۔’’جنگ آزادی
...انقلاب سے پہلے بریلی میں اس
...زعلی اور دوسرے مفتی عنایت احمد

...ور لکھتے ہیں:’’آپ (مفتی عنایت

احمد) بریلی میں نواب خان بہادر خاں روہیلہ کی قیادت میں جہاد حریت کی تنظیم کے لیے سرگرم عمل رہے۔ان دنوں روہیل کھنڈ بریلی مجاہدین آزادی کا اہم مرکز تھا۔مولانا احمد رضا خاں کے دادا مولانا رضا علی خاں بریلوی اس تحریک کے قائدین میں سے تھے۔مفتی عنایت احمد کاکوروی نے مجاہدین کی تنظیم پر اکتفانہ کیا بلکہ نواب خان بہادر خاں روہیلہ کے دست وبازو کی حیثیت سے مختلف معرکوں میں عملی حصہ بھی لیا۔‘‘(جنگ آزادی نمبر، ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی، جولائی ۱۹۷۵ء)

انقلاب کی چنگاری بجھنے کے بعد جب علما وقائدین انقلاب کی داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو مجاہدین کے لیے مالی امداد وتعاون پر مشتمل فتویٰ اور انقلابی سرگرمیوں کی پاداش میں مفتی صاحب کے خلاف انگریزوں نے مقدمہ چلایا اور اس وقت کے عام دستور کے مطابق کچھ رسمی نمائشی عدالتی کاروائی کرکے آپ کو حبسِ دوام درجزیرۂ انڈمان (کالا پانی) کی سزا دی گئی۔جہاں آپ نے چار سال تک کسی طرح اپنے ایام اسیری کی مشقتیں جھیلیں۔ایک انگریز نے’’تقویم البلدان‘‘ کے ترجمہ کی خواہش ظاہر کی جسے آپ نے قبول فرمایا اور دوسال کی مدت میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔یہی علمی کام آپ کی رہائی کا سبب بن گیا اور ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں آپ جزیرۂ انڈمان سے رِہا ہوکر ہندوستان واپس آئے۔

جزیرۂ انڈمان میں مفتی عنایت احمد کوروی وعلامہ فضل حق خیرآبادی کی تاریخی وعلمی خدمات کے بارے میں مولانا عبدالشاہد شیروانی لکھتے ہیں:’’علامہ (فضل حق) جزیرۂ انڈمان پہنچے۔مفتی عنایت احمد کاکوروی صدرامین بریلی وکول،مفتی مظہر کریم دریابادی اور دوسرے مجاہدین علما وہاں پہنچ چکے تھے۔ان علما کی برکت سے یہ جزیرہ دارالعلوم بن گیا تھا۔ان حضرات نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا۔خرابیِ آب وہوا،تکالیف شاقہ وجداِ احباب واعزہ کے باوجود علمی مشاغل جاری رہے۔‘‘(باغی ہندوستان،ص ۲۲۵)

کالا پانی میں مفتی صاحب نے سیرت النبی پر ایک مختصر کتاب’’تواریخ حبیب الٰہ‘‘ اور فن صرف کی کتاب’’علم الصیغہ‘‘تحریر کی جوآج بھی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ان

Presented by: https://jafrilibrary.com/

مولانا رحمت اللہ کیرانوی: ردّ نصرانیت کے ماہر

پایۂ حرمین مولانا رحمت اللہ کیرانوی (متولد ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء۔متوفی ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) کبیر الاولیا مخدوم جلال الدین پانی پتی (متوفی ۷۶۵ھ) کی اولاد میں سے ایک بلند پایہ عالم دین ہیں۔جن کا سلسلہ نسب خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ردِ نصرانیت کے باب میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام ہندوستان میں معروف اور سرفہرست ہے۔اپنی پوری زندگی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے سب سے نمایاں کام یہی کیا ہے۔آپ کی دوسری عظیم الشان دینی وعلمی خدمت ''مدرسہ صولتیہ مکۂ مکرمہ'' کی تاسیس ہے اور تیسرے مرحلے میں انگریزوں کے خلاف آپ کی جدوجہد اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ کا مخلصانہ کردار اور زمین وجائداد کی قربانی ہے۔کیرانہ مظفر نگر (موجودہ مغربی یوپی) میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ حیات دہلی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔پھر لکھنؤ جا کر مفتی سعد اللہ مراد آبادی (متوفی ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء۔شاگرد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ومفتی صدر الدین آزردہ دہلوی) سے چند اعلیٰ کتابوں کا درس لیا۔شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی (متوفی ۱۲۹۶ھ/ دسمبر ۱۸۷۸ء) سے حدیث نبوی سے کئی کتابیں پڑھیں۔مولانا امام بخش صہبائیؔ سے بھی کچھ تحصیل علم کیا۔شروع میں کئی سال تک کیرانہ کی مسجد میں طلبہ کو پڑھایا۔مشنری اسکولوں اور پادریوں کی سرگرمیاں جب زیادہ بڑھنے لگیں اور انھوں نے اسلام پر اعتراضات کیے تو شاہ عبد الغنی مجددی کے حکم پر ''ازالۃ الاوھام'' کے نام سے آپ نے ایک ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عیسائیوں بالخصوص پادری فنڈر کی لکھی ہوئی کتاب ''میزان الحق'' کے سارے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا۔

۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فنڈر کے درمیان آگرہ میں ایک تاریخی مناظرہ ہوا جس میں پادری فنڈر کو آپ نے لاجواب کر دیا۔اس مناظرہ کی تفصیلات اسی وقت کتابوں میں شائع ہوگئیں۔اس مناظرہ میں مولانا فیض احمد بدایونی اور

ں ہیں۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ
پنے حافظہ کی مدد سے ''تواریخ حبیب
ن واپسی کے بعد جب ان دونوں
ت پایا۔ان حضرات کے سینے علم کے
نعات، قواعد فنون، ضوابط علوم وغیرہ
خیر آبادی نے بھی ایام اسیری میں
فتی عنایت احمد کاکوروی کے ذریعہ
آبادی کے پاس بھیجا تھا جو پنسل اور
ہ کی محنت کے بعد درست اور مرتب
ب لکھا اور مولانا محمد عبد الشاہد خاں
ن اضافات کے ساتھ المجمع الاسلامی

کے بعد مفتی صاحب نے کان پور کو
م کر کے درس وتدریس میں ہمہ تن
خدمت کر کے آپ حج وزیارتِ
روانہ ہوئے۔آپ کو امیر الحجاج
ج بحری جہاز سے سرزمین حجاز کی
کا جہاز ٹکرایا اور شدت ضرب سے
۱۲ھ/ ۱۸۶۳ء میں آپ مع قافلۂ

مولانا ڈاکٹر وزیر علی خاں اکبرآبادی: حریت نواز

مولانا ڈاکٹر وزیر علی خاں اکبرآبادی (متوفی ۱۱۸۹ھ/ ۱۸۷۳ء) بہار کے رہنے والے تھے۔ والد محمد نذیر خاں نے ابتدائی تعلیم کے بعد مرشد آباد (بنگال) میں انگریزی تعلیم دلائی اور پھر انگلینڈ بھیج دیا جہاں محنت سے آپ نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی، ساتھ ہی یونانی و عبرانی زبانیں سیکھیں اور انجیل و توریت وغیرہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ ہندوستان واپسی کے بعد کلکتہ کے ایک اسپتال میں حکومت کی طرف سے اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے، اس کے بعد آگرہ آئے۔ یہاں اپنے کام کے ساتھ مفتی انعام اللہ گوپامئوی وکیل صدر سے ربط وضبط ہوا۔ اور جب مولانا احمد اللہ مدراسی نے مجلس علما آگرہ بنا کر اپنی سرگرمی شروع کی تو آپ ان کے دست و بازو بن گئے۔

''غدر کے چند علما'' میں مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی لکھتے ہیں کہ: ''ڈاکٹر وزیر خاں کو انگریز دشمنی اور حریت نوازی کا چسکا شاہ صاحب (احمد اللہ مدراسی) کے فیض صحبت سے پڑا۔۔۔ ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر سے آگرہ میں تین دن تک مناظرہ ہوا جس میں آپ نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے معاون تھے۔'' (چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص ۱۴۲۔۱۴۵) مزید لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج فدائیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی۔ انگریز قلعہ بند ہو گئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو لے کر دہلی پہنچے۔ بہادر شاہ کا دربار جما ہوا تھا۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آ چکے تھے۔ ''وار کونسل'' بنی ہوئی تھی۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس میں داخل کر لیے گئے۔ جنرل بخت خاں لارڈ گورنر تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہمراہ لیا۔ مولوی فیض احمد مرزا مغل کے پیش کار مقرر ہوئے۔ جنرل صاحب نے انگریزی فوج کو جہاں مقابلہ ہوا شکست دی۔ مرزا مغل ایک معرکہ میں منہ کی کھا آئے۔ ادھر مرزا الٰہی بخش نے مرزا مغل کو گانٹھ لیا تھا اور خوف زدہ کر دیا تھا کہ جنرل روہیلہ ہے۔ نواب غلام قادر خاں روہیلہ کے خاندان سے ہے۔ بہادر شاہ اور تمہارے پردے میں انگریزوں کو نکال کر خود تخت نشین ہونا چاہتا ہے۔ مرزا مغل کان کے کچے، دوست دشمن کو نہ پہنچان سکے۔ جنرل بخت خاں نے ایک مورچہ خود سنبھالا۔ دوسرا مورچہ کشمیری گیٹ کا مرزا مغل کے

ون تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء شروع
نا امداد صابری دہلوی لکھتے ہیں ''اس
لیے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں
'ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ
ص ۲۹۶)

کے شہزادوں پر اثر اور ان سے
رے مجاہدین کے ساتھ مولانا رحمت
یں حصہ لیا اور جنگ میں شرکت
یض احمد بدایونی کے ساتھ دہلی کی

روزنامچہ عبداللطیف کے علاوہ دیگر
ملتا ہے۔ ان مجاہدانہ سرگرمیوں کے
علان کیا کہ مولانا کیرانوی کو گرفتار
ایک ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا
مکرمہ پہنچ گئے۔ کیرانہ میں آپ کی
پت کی آپ کی موروثی جائداد بھی
میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور درس
شیخ زینی دحلان شافعی مکی نے وہاں
نے قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ انھیں کی
''اظہار الحق'' مکہ مکرمہ میں لکھ کر
ء میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال

ـ سے جاتی رہی۔ جنرل بخت خاں نے
رلو اور اپنے ہمنوا جو ہو اس کو ساتھ لو، یہ
ہم سب یہیں کھیت ہو کے رہ جائیں
اں باریاب ہوا اور سب حال عرض کیا
دشاہ کو اس کی ہمراہی کے لیے آمادہ نہ
ان کے جاتے ہی مقبرۂ ہمایوں میں
۱۸۵ء، ص ۱۴۶)

ہ، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور
چلے گئے۔ وہاں مولانا احمد اللہ شاہ
ی۔ پھر سب کو لکھنؤ چھوڑ کر شاہجہاں
ثر حضرات نیپال چلے گئے۔ ڈاکٹر
مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ ڈاکٹر
۔ وہیں ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۳ء میں آپ

ہادت ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) خلف
شہر مراد آباد کے بڑے عالم اور رئیس
جذبہ اور قوم پروری میں بے مثال
تھے۔ عوام وخواص میں آپ یکساں
ن پر بھی آپ کو قدرت تھی۔ انقلاب
۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو مرادآباد جیل خانہ
یوں کو آزاد کرالیا۔ مسٹر جان کرافٹ

ولسن یہ خبر سنتے ہی روپوش ہو گیا تھا۔

مولانا وہاج الدین نے رام پور کا دورہ کر کے وہاں بھی جہاد اور حریت کی روح پھونکنے کا سرفروشانہ اقدام کیا کیوں کہ نواب رام پور یوسف علی خاں انگریزوں کے وفادار تھے۔ ریاست رام پور کی منجمد فضا میں حرکت پیدا کرنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ مگر فدائے قوم مولوی وہاج الدین کی یہ قوم پروری، حب الوطنی اور شجاعت تھی کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ خطرات کی اس وادی میں کود پڑے۔ وہ بے خوف وخطر ہو کر رام پور خاص اور گرد و نواح کے قصبوں اور دیہاتوں میں جلسے کرتے، پمفلٹ پڑھ کر سناتے اور اس طرح اپنے سپوتوں کو بیدار کر کے جنگ آزادی کی تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے۔

مرزا ناظم بخت کے بیٹے اور فرخ سیر بادشاہ کے نواسے شہزادہ فیروز شاہ جب مراد آباد پہنچا تو آپ اس کے دست راست بن گئے۔ مولانا سید کفایت علی کافی اور مولانا وہاج الدین نے مل جل کر مراد آباد میں انقلاب برپا کر دیا۔ شہزادہ فیروز شاہ کی سرپرستی میں ان حضرات نے نواب کی فوج اور انگریزوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انقلاب کی ناکامی کے بعد ایک مخبر کی غداری سے مولانا وہاج الدین کے گھر پر رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں عصر ومغرب کے درمیان انگریزوں نے ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں ایک روز دھاوا بول دیا اور گھر کے اندر ہی گولی مار کر آپ کو شہید کر دیا۔

مولانا امام بخش صہبائی دہلوی: ایک مظلوم سپاہی

مولانا امام بخش صہبائی دہلوی (شہادت ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء) کا سال ولادت ۱۸۰۲-۳ء کے آس پاس قرار دیا جاتا ہے۔ صہبائی کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور والدہ کی طرف سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ امام بخش صہبائی کو ''معمائی'' بھی کہا جاتا تھا کہ انھیں فنِ معمہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ مولانا عبداللہ خاں علوی کے شاگرد اور اردو زبان کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ نے تین بادشاہوں شاہ عالم ثانی، اکبر شاہ ثانی اور

مولانا صہبائی کے ساتھ کٹرہ مہرپرور کی مسجد میں پڑھ رہا تھا کہ گورے دَن دَن کرتے آ پہنچے۔ پہلی رکعت تھی کہ امام کے صافے سے ہماری مشکیں کس لی گئیں۔۔۔۔۔۔ پھانسیوں کی بجائے باغی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ مسلح سپاہیوں نے اپنی بندوقیں تیار کیں۔ ہم تیس چالیس آدمی ان کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک مسلمان افسر نے ہم سے آ کر کہا کہ موت تمہارے سر پر ہے گولیاں تمہارے سامنے ہیں اور دریا تمہاری پشت پر ہے۔ تم میں جو لوگ تیرنا جانتے ہیں وہ دریا میں کود پڑیں۔ میں بہت اچھا تیراک تھا مگر ماموں صاحب یعنی مولانا صہبائی اور ان کے صاحبزادے مولانا سوزؔ تیرنا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے دل نے گوارہ نہ کیا کہ ان کو چھوڑ کر اپنی جان بچاؤں۔ لیکن ماموں صاحب نے مجھے اشارہ کیا اس لیے میں دریا میں کود پڑا پچاس یا ساٹھ گز گیا ہوں گا کہ گولیوں کی آوازیں میرے کانوں میں آئیں اور صف بستہ لوگ گر گر مر گئے۔" (۱۸۵۷ء پس منظر و پیش منظر، ص ۳۰۲)

راقم الدولہ ظہیر دہلوی اپنی کتاب "داستان غدر" میں لکھتے ہیں: "اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راج گھاٹ کے دروازے کے دریا پر لے جائے گئے اور انھیں بندوقوں کی باڑھیں ماردی گئیں اور لاشیں دریا میں پھنکوادی گئیں۔ عورتوں کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل کر بچوں سمیت کنوؤں میں جا گریں۔ چیلوں کے کوچہ کے تمام کنویں لاشوں سے پٹ گئے تھے۔" (چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص ۱۵۲)

اس المناک شہادت کی خبر سن کر حضرت مفتی آزردہؔ کا دل تڑپ اٹھا اور زبان بے اختیار پکار اٹھی کہ ؎

کیوں کر آزردہؔ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

اکبر الہٰ آبادی کہتے ہیں:

نوجوانوں کو ہوئیں پھانسیاں بے جرم و قصور
ماردیں گولیاں پایاجسے کچھ زور آور
وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل
ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

چ ۱۸۹۸ء) نے اپنی مشہور کتاب
س کا انھوں نے اعتراف بھی کیا ہے
ہے۔
م ونثر اور دیگر رسائل اور شروح تین
ص ۲۳)
ں کتابیں نصابِ تعلیم میں داخل تھیں

ہبائی کو بھی یاد کیا ہے، کہتے ہیں ؎
لوی و انگاہ
اعظم شاہ
شاعر، صاحب طرز انشا پرداز، دقیقہ
۔ فنونِ شعر اور علمِ عروض و قافیہ میں
کے تمام تذکرہ نگار و ادبا نے ان کی
ں آزردہؔ، مولانا فضل حق خیر
ے بڑی حد تک قائل تھے۔ ۱۸۴۰ء
دہی پر آپ کو دہلی کالج میں فارسی
دوستی تھی۔ مفتی آزردہؔ اور علامہ فضل
ے تھے جہاں علم و فضل اور شعر و ادب
انگریز مخالف ذہن رکھنے کے ساتھ
علی کی مجلسوں اور بعض مشوروں
نے آپ کے محلہ کوچہ چیلان دہلی سے
ہلی) جمنا کنارے گولیوں کا نشانہ بنا
الیس افراد شہید کیے گئے۔
ے ہیں: "میں صبح کی نماز اپنے ماموں

ں: حریت پسند

لیہ کے حقیقی دادا مولانا رضا علی خاں
۱۲ھ/۱۸۶۹ء) کا سلسلۂ نسب قندھار
د سے ملتا ہے۔آپ کا سلسلۂ اجازت
بحر العلوم حضرت علامہ محمد عبد العلی فرنگی
متحدہ ہندوستان میں رائج و مشہور
ک عزیز شاگرد مولانا محمد حسن علمی کے
۔آپ نے جنگ آزادی میں قولاً فعلاً
ش چھوڑے، اس میں کوئی شک نہیں
روں کے خلاف نبرد آزما رہے، آپ
م سے سخت ناراض تھا اور جنرل ہڈسن
کا انعام رکھ دیا تھا یہ اور بات ہے کہ وہ

ہوا کرے
خدا کرے

یزی اقتدار کو بالکل پسند نہیں کرتے
توی دیا تو مولانا رضا علی خاں بریلوی
حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے مستعد
ں کو گھوڑے مہیا کیا کرتے تھے تا کہ
مولانا نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں
جنگ آزادی میں فرنگی اقتدار کا تختہ
یز اُن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے سبب

علامہ فضل حق خیر آبادی، امام بخش صہبائی اور احمد اللہ شاہ مدراسی کی صف کا مجاہد آزادی تسلیم کرتے تھے۔ بریلی میں فتوائے جہاد کی تشہیر کے بعد انگریزوں کے خلاف اقدام کرنے کے لیے جنرل بخت خاں روہیلہ کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈران چیف بنایا گیا۔ مولانا رضا علی خاں بریلوی جہاد کمیٹی کے سرپرست تھے۔ جنرل بخت خاں روہیلہ اور خان بہادر خاں روہیلہ نبیرۂ حافظ رحمت خاں روہیلہ کبھی بھی مولانا کی ہدایت کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔

جشن یومِ آزادی اور امت مسلمہ کی بے حسی: قابل رحم و قابل توجہ

ہمیشہ کی طرح یومِ آزادی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ آیا اور گذر گیا۔ پورے ملک میں تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر میں پرچم کشائی کی گئی۔ بچوں میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور کئی مقامات پر ثقافتی پروگراموں کا انعقاد ہوا۔ مگر کیا ہم نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش کی کہ اس دن کی کیا اہمیت ہے؟ تاریخ میں اس دن کا کیا مقام ہے؟ اس دن کے لیے کتنے لوگوں کو سولیوں پر چڑھایا گیا؟ کتنے مجاہدین کو انڈومان کی قیدِ تنہائی دی گئی؟ کتنے سَوتنتر تا سیناںیوں کی جائیدادیں ضبط اور نیلام کی گئیں؟ کتنے بچوں کو یتیم اور کتنی سہاگنوں کو بیوہ بنایا گیا؟ افسوس تو اس بات پر ہے کہ یوم آزادی آیا اور چلا بھی گیا مگر مسلم اکثریتی علاقوں میں اس کی گونج تک نہیں سنائی دی۔ اسکولوں اور کالجوں میں روایتی طور پر پرچم لہرایا گیا، راشٹر گیت پڑھا گیا، کہیں کہیں شیرینی تقسیم کی گئی اور بس ختم۔ کیا یوم آزادی کا سورج بس اسی آدھے گھنٹے کے لیے طلوع ہوتا ہے؟ وطن کی آزادی کی خاطر جن بائیس ہزار علما اور پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا ان کی یاد بس دس منٹ کے لیے منانی چاہیے؟ کیا ہماری قوم اب اتنی بے حس ہوگئی ہے کہ بے لوث مجاہدین کی قربانیوں کو یونہی دبا دیا جائے؟ ممکن ہے کوئی کہے کہ ہمارے یہاں پروگراموں کا انعقاد ہوا، تقریریں ہوئیں اور مجاہدین کو خراج عقیدت بھی پیش کیا گیا۔ یہی تو ہماری کج روی اور کج فہمی ہے کہ بس چند جوشیلی تقریروں اور چھوٹے موٹے پروگراموں کو ہی ہم نے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ کیا شہدائے آزادی کے خون کی قیمت صرف اتنی ہے کہ ان کے نام سے دو چار رَٹی رَٹائی تقریریں کر لی جائیں؟ بلکہ لُطف کی بات تو یہ ہے کہ یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ذاتی اور

فرصت نہیں۔ ہمارا شہر مسجدوں اور میناروں کا شہر کہلاتا ہے، مجھے بتاؤ ہمارے شہر کے کتنے مدرسوں میں جشن یوم آزادی منایا گیا؟ کتنے مدرسوں میں مدرسین اور اہل علم نے مسجد و محراب سے اسلاف کی درد بھری قربانیوں کو بیان کیا؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ مسجد کے امام صاحب اور مدرسے کے مدرس صاحب سے اگر کوئی پوچھ لے کہ پچاس مسلم مجاہدین آزادی کے نام بتاؤ تو شاید ہی کوئی بتا پائے۔ (الا ماشاء اللہ) جن مقامات سے آزادی کی لہر نے جنم لیا تھا، مساجد کے ائمہ اور مدارس کے فارغین نے اپنی ہتھیلیوں پر اپنے سروں کا نذرانہ لے کر ۱۸۵۷ء میں انقلاب کی چنگاری جلائی تھی، آج انہیں مقدس مقامات کے علمبردار اپنی تاریخ سے ناآشنا اور نابلد ہیں۔ جب اہل علم طبقہ ہی اپنی تاریخ سے ناآشنائی کا شکار ہے تو پوری امت کا اللہ ہی نگہبان۔ جب کہ یہ ایک مسلم الثبوت اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی علمائے کرام ہی کے دم قدم سے متصور ہے۔ آج ہم آزادی کی جس خوش گوار فضا میں زندگی کے لمحات بسر کر رہے ہیں، یہ علمائے حق ہی کے سرفروشانہ جذبات اور مجاہدانہ کردار کا ثمرہ ہے۔ انھیں کے مقدس لہو سے شجر آزادی کی آبیاری ہوئی ہے۔ آزادی کی اساس اور بنیاد ہی ہم ہیں۔ اس ملک کی آزادی کے لیے غیروں نے جتنا پسینہ نہیں بہایا اس سے کہیں زیادہ ہمارے اسلاف نے خون بہایا ہے۔

شہر مالیگاؤں کو بھی اس سبب سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ یہاں کے جیالوں نے مالیگاؤں میں موجود زمینی قلعہ پر ترنگا پرچم لہرا کر آزاد ہندوستان کا پیغام دیا تھا مگر افسوس! برطانوی پنجہ حریت کے ان متوالوں کی گردنوں تک پہنچ گیا اور انھیں پھانسی کے پھندوں پر لٹکا دیا گیا۔ آج بھی مالیگاؤں میں تعمیر ”شہیدوں کی یادگار“ اہل سیاست کو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ مجھ پر ان سرفروشوں کے نام کب کندہ کروائے جائیں گے جو آزادی کے لیے پونہ کی یروڈہ جیل میں تختۂ دار پر چڑھ گئے؟ اگر یہ جان دینے والے غیر ہوتے تو کیا اب بھی ان کی سمادھی بغیر نام کے کھڑی رہتی؟؟ پونہ قبرستان میں دفن شہیدوں کے جسم الیکشن میں کیے گئے وعدوں کی تکمیل کا اب بھی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ اب کہاں گئے وہ تمام سیاست داں جنھوں نے الیکشن پریڈ میں شہیدوں کی یادگار پر شہیدوں کے نام کندہ کروانے کا عہد کیا

رنے کی بھی ناکام کوشش کرتے ہیں
ں کیا تھا۔ اپنی تقریروں میں وہ اگر کسی
وئی مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی
ہی تھم جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ
ون جگر سے سنوارا ہے؟ مگر افسوس کہ
بس ہزار علمائے کرام کے خون سے یہ
ے بچوں کے سامنے فریڈم فائٹرس کے
ی صدرالدین آزردہ، مولانا فیض احمد
لانا کفایت علی کافی، مولانا رحمت اللہ
صہبائی دہلوی، مولانا وہاج الدین
روی، غلام امام شہید، امیر مینائی، مفتی
ب مجو خان، نواب شائستہ خاں، نواب
ں کے شہداء عبداللہ خلیفہ خدا بخش اور
شعبان، سلیمان شاہ، بدھو فریدن، محمد
ہے تو وہ حیرت سے ایسا منہ تکتے ہیں
ں نے نصابی کتابوں، تعلیمی اداروں یا
ے، بھگت سنگھ، جواہر لال نہرو اور

ئے اسلام اور مجاہدین آزادی کے
ں کیا ہے۔ باطل تو کسی طرح ہمارے
جس سونے پر سہاگہ۔ ہماری تاریخ
ضیات اور مجاہدین کے باب کو خارج
ں کی قربانیوں کی یاد تازہ کرنے کی

ر کلب غرضیکہ جہاں جہاں ممکن ہو ہر
ی پر ترنگے کو فراموش کر دیا گیا۔ کیا
پنے ملک سے محبت کا پیغام دیتا ہے۔
ی تاریخ کو نئی نسلوں تک پہنچانے کی
صفحۂ دہر سے مٹادی جاتی ہے ؎
ے تھے تنکے
ب لگادے

ادی کی پوری تاریخ علمائے اہلسنّت
اری ہے کہ آزادیٔ ہند کی صحیح تاریخ
ے مسلمانوں کی قیادت اہلسنّت
ن کے قطرات ہمارے اسلاف نے
جب بھی ضرورت پیش آئی ہے تو ہم
جماعت کی خدمات اور قربانیوں کو
کرتا ہے تو یہ اس کی بدبختی ہے اور وہ
ظلم کر رہا ہے۔
قریباً دو سو سال کی تاریخ ایسی لکھی گئی
انے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب ہمارا
پہلے تاریخ کو سمجھیں، سمجھائیں،
کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں کہ
وقیادت، ص ۱۱۳)
ہے بسی ہوئی

نبض وطن میں خون کی صورت رواں ہیں ہم

اس ضمن میں مولانا محمد عبدالشاہد خاں شروانی کی ''باغی ہندوستان''، علامہ یاسین اختر مصباحی کی چار کتابیں (۱) علامہ فضل حق خیرآبادی اور انقلاب ۱۸۵۷ء (۲) چندممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء (۳) ۱۸۵۷ء پس منظر و پیش منظر (۴) علمائے اہلسنّت کی بصیرت وقیادت، مولانا خوشتر نورانی صاحب کی کتاب ''علامہ فضل حق خیرآبادی چند عنوانات'' اور مولانا عبدالمالک مصباحی صاحب کی کتاب ''خطبات اسلام''، پروفیسر ارتضیٰ کریم کی ترتیب کردہ ''۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی''، پروفیسر محمد ایوب قادری کی کتاب ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی''، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی کتاب ''علامہ فضل حق خیرآبادی'' اور فورٹ ولیم کالج کے رائٹر میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں موجود تمام مواد انہی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

استفادۂ خصوصی:

(۱) تذکرۃ الانبیا، از: علامہ عبدالرزاق بھترالوی صاحب، رضوی کتاب گھر، ۲۰۰۲ء
(۲) ماہنامہ کنزالایمان، مارچ ۲۰۱۰ء، از: مولانا محمد رفیق احمد مصباحی، ص ۳۵
(۳) سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ، از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب، فاروقیہ بکڈ پو، مئی ۱۹۹۷ء
(۴) باغی ہندوستان، از: مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۲۰۱۱ء
(۵) ۱۸۵۷ء پس منظر و پیش منظر، از: علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب، دارالقلم دہلی ۲۰۰۷ء
(۶) چندممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، از: علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب،، دارالقلم دہلی ۲۰۰۷ء
(۷) علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء، از: علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب، دارالقلم دہلی ۲۰۰۷ء

مکتبۂ طیبہ سے

عطاء الرحمن نوری کی مطبوعات

(۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی چند ناصحانہ باتیں

(۴) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علما کا مجاہدانہ کردار

غیر مطبوعہ کتابیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی: خاتون جنت

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدالتی فیصلے

(۳) زبان کا استعمال کیسے کریں؟

(۴) شہر مالیگاؤں تیرے حال پہ رونا آیا

(۵) اردو اصناف سخن

(۶) فروغ اردو میں صوفیا کا کردار

(۷) نواب مرزا داغ دہلویؔ: دبستان دہلی کا آخری نمائندہ

(۸) ترقی پسند تحریک: اُردو ادب کی عظیم تحریک

(۹) تذکرہ نویسی: تعریف، اہمیت اور اجمالی تاریخ

(۱۰) ملا وجہیؔ: گولکنڈہ کا ''دکن نور'' ہیرا

(۱۱) مسابقاتی امتحانات کی تیاری کے رہنما اصول

یاسین اختر مصباحی

نا خوشتر نورانی صاحب، قومی کونسل

ں، ماہ نور پبلیکیشنز دہلی،

رتضیٰ کریم،

ں احمد بدایونی، از: پروفیسر محمد ایوب

ہاؤس، ۲۰۰۳ء

سٹی ٹیوٹ دہلی، ۲۰۱۲ء

ائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۲ء

مطبع معارف اعظم لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ

اردو اکادمی لکھنؤ، ۲۰۰۳ء

۲۰۰ء

رح اُمت کے لیے اہم موضوعات

ت میں منظر عام پر لائیں۔